ڈیڈ کے آفس جانا ہے۔"

"بی بی! گاڑی تو فارغ نہیں ہے۔ دراصل بیگم صاحبہ اپنی گاڑی لے گئی ہیں اور صاحب کی گاڑی بھی نہیں ہے۔" رحیم لاپروائی سے بتانے لگا۔

"تو یہ تمہارے سامنے کچھ نہیں ہے یا اندھے ہو؟" اس نے سامنے کھڑی لینڈ کروزر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ؟ اس میں تو ماہ نور بی بی جائیں گی۔"

"ماہ نور بی بی کی اپنی گاڑی کہاں ہے؟" سمل کو یاد تھا ماہ نور کے پاس ایک ریڈ اسپورٹس کار تھی۔

"وہ جی ان کی گاڑی ورکشاپ میں ہے۔ اس لیے وہ اسی میں جائیں گی۔ ابھی کچھ دیر ہوئی' وہ مجھے انتظار کرنے کو کہہ کر گئی ہیں' ابھی آتی ہی ہوں گی۔"

"ماہ نور بی بی پھر کبھی چلی جائیں گی۔ تم گاڑی نکالو۔ مجھے ضروری جانا ہے۔" وہ اسے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

چار و ناچار رحیم کو گاڑی نکالنا ہی پڑی۔

آفس میں سمل کو کوئی خاص پروٹوکول نہ ملا۔ وہاں کوئی اسے جانتا ہو نہ تھا۔ وہ سب شیخ جہانگیر کی نازک مزاج اور خوب صورت بیٹی کو جانتے تھے ایک کم شکل اور لنگڑی لڑکی کا ان کے باس سے کیا تعلق ہو سکتا تھا بھلا؟

جیسے ہی اس نے ریسپشنسٹ سے اپنا تعارف کرایا' اطراف میں کام کرتے "سامعین" کے ہاتھوں میں ایک دم تیزی سی آگئی۔

وہ چھٹے فلور پر واقع ڈیڈ کے پرسنل آفس جانے کے لیے لفٹ کی طرف بڑھی ہی تھی کہ ریسپشن پر موجود لڑکی نے ساتھ چلنے کی آفر کی۔ جواباً سمل نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس کے سر پر سینگ ہوں۔

"میں کسی کی محتاج نہیں ہوں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تو وہ لڑکی شرمندہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔ سمل تیزی سے مڑی اور باوقار انداز سے چلتی ہوئی لفٹ میں داخل ہو گئی۔

شیخ جہانگیر کے آفس کے سامنے ٹیبل پر موجود ان کی سیکرٹری نے اس کو روکنا چاہا۔

"میم' آپ اندر نہیں جا سکتیں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"باس مصروف ہیں۔"

سمل نے صرف ایک لاتعلق سی نگاہ اس پر ڈالی اور نہایت اعتماد کے ساتھ اندر چلی گئی۔ اندر شیخ جہانگیر کے علاوہ چار افراد موجود تھے۔ سمل کو یوں اچانک [illegible] جہانگیر بولتے بولتے یکدم خاموش ہو گئے۔ ان [illegible] آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی جنٹلمین! آپ پھر آئیے گا۔ [illegible] ابھی اپنے فادر سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" خاصے تحکمانہ انداز میں بولی تھی۔

جہانگیر کے کہنے پر تمام افراد رخصت ہو گئے تو وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"خیریت بیٹا؟" وہ پریشان ہو گئے تھے۔ "کیا بات ہے؟"

"بتاؤں گی۔ پہلے آپ اپنی سیکرٹری کو بلائیے۔" وہ آرام سے بولی۔

چند سیکنڈ بعد ان کی سیکرٹری ثانیہ وہاں موجود تھی۔

"ڈیڈ!" وہ جہانگیر سے بولی۔ "آپ ابھی اور اسی وقت اس لڑکی کو جاب سے فارغ کریں۔ اس نے مجھ سے بدتمیزی کی' مجھے یہاں آنے سے روکا آپ ابھی اس کو آفس سے نکالیں۔"

چند لمحے وہ بغور اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھتے رہے' پھر ثانیہ کی طرف مڑے "تم اپنی چیزیں سمیٹ لو' کیشئر کے پاس جا کر اپنا حساب کروالو اور یہاں سے جانے سے پہلے سب کو بتا دینا کہ میری بیٹی سے بدتمیزی کرنے والے کو اس سے بھی سخت سزا ملے گی۔ اب تم جا سکتی ہو۔"

جب وہ چلی گئی تو وہ اس سے مخاطب ہوئے۔ "اب بتاؤ بیٹا! کیا بات تھی؟" مگر کچھ بتانے سے پہلے سمل نے رحیم کو اوپر بلوا کر ان سے زبردست قسم کی ڈانٹ پڑوائی۔ اس کے جانے کے بعد انہوں نے تیسری دفعہ اس سے مسئلہ پوچھا۔

"ڈیڈ!" وہ دھیرے سے بولی۔ "میں آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ....."

"کیا؟"

"یہی کہ' میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔"

اس کی بات سن کر وہ ہنس پڑے۔

"بس یہی کہنے کے لیے تم نے میری بہت ہی اہم میٹنگ میں مداخلت کی؟ میری سیکرٹری کو جاب سے نکلوایا' رحیم کو ڈانٹ پڑوائی' اور مجھے اتنا پریشان کیا؟"

"بالکل!" وہ مسکرائی۔ "کیونکہ اگر میں شیخ جہانگیر کی بیٹی ہوں تو آپ کی میٹنگ سے زیادہ اہم ہوں' میری عزت کرنا آپ کے ملازمین پر لازم ہے اور میرا حکم ٹالنے کا کسی کو

اختیار نہیں ہے۔ صحیح کہہ رہی ہوں؟"

جہانگیر نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی وہی معصومیت تھی' مگر اس کا لب و لہجہ اور پراعتماد شخصیت پہلے والی سمل کے برعکس تھی۔ کہاں وہ اربوک' کم ہمت' بات بے بات رونے والی لڑکی اور کہاں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے والی لڑکی۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہو" انہوں نے مسکرا کر اس کی تائید کی۔

"ڈیڈ! میں اپنی اسٹڈیز مکمل کرنا چاہتی ہوں۔" سمل نے اپنی خواہش ان کے سامنے رکھ دی۔

☆ ☆ ☆

ہسپتال کے اس نیم تاریک کمرے میں اس نے اس رات جو فیصلے کیے تھے' تعلیم مکمل کرنا ان ہی میں سے ایک تھا۔

اب اس نے دوست بھی بنانے شروع کر دیے تھے۔ حماد' فرح' رابعہ' عمران' زیاد' رومیصہ' سب اپر کلاس سے تعلق رکھنے والے اسی کے ہم عمر لڑکے لڑکیاں تھے۔ یہ سمل ہی تھی جس نے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ جلد ہی وہ سب آپس میں بہت گھل مل گئے تھے۔ ویسے بھی دوستی میں شکل یا جسمانی نقائص اہمیت نہیں رکھتے۔

سمل نے ایک اور کام بھی کیا۔ اس نے اپنی پرانی ڈائریز سے اسکول کے زمانے کے کلاس فیلوز کے ایڈریس اور فون نمبرز نکالے۔ کچھ اسلام آباد کے ہی لڑکے لڑکیاں تھے اور کچھ لڑکیاں Lerrotti School میں اس کے ساتھ پڑھتی تھیں۔ ان میں سے کسی سے بھی اس کی اچھی دوستی نہ تھی' لیکن اس کے باوجود اس نے ان سب کو دوبارہ اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔

سب سے پہلے اس نے Lerrotti School کی کلاس فیلوز کو خط لکھے۔ کیرولین' ڈینا' کیلی' لوئیس اور فریا احمد سے ہی اس کی کچھ جان پہچان تھی۔ ڈینا کے سوا سب نے جواب دیا' کیونکہ ڈینا جرمنی چلی گئی تھی۔

سمل نے اسلام آباد کے بہت سارے کلاس فیلوز سے رابطہ کیا اور گھر میں گیٹ ٹوگیدر ارینج کر کے انہیں بلایا۔ ان میں سے اکثر آئے تھے' اور یوں وہ ایک دفعہ پھر اچھے دوست بن گئے تھے۔

ایسا سب کچھ سمل نے اس لیے کیا تھا کیونکہ خرم کہتا تھا "تعلقات بنانے سے بنتے ہیں۔ دوست برے وقت کا سہارا ہوتے ہیں۔ تم دوست کیوں نہیں بناتیں؟"

☆ ☆ ☆

فریا احمد کو خط لکھنے کے بیس روز بعد اس کا جواب آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

سمل.....

تمہارا خط پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں نے تمہیں بھلا دیا ہو گا؟ بھلا تم بھی کوئی بھلا دینے والی لڑکی ہو؟

میں اپنا فون نمبر لکھ رہی ہوں۔ تم مجھے کال کرنا۔ کیونکہ خط کے ذریعہ بات کرنے کا مزا نہیں آتا۔

فون ضرور کرنا۔

فقط

فریا احمد۔

خط پڑھتے ہوئے اس کے لبوں پر بے اختیار ہی ایک مسکان بکھر گئی۔ اسے کئی برس پہلے والی نو عمر فریا یاد آ گئی جس سے زیادہ پوری کلاس میں کوئی خوب صورت لڑکی نہیں تھی۔ سبز آنکھوں والا وہ دلنشین چہرہ یاد کرتے ہوئے سمل کو اپنی کم مائیگی کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا۔

اگر وہ خوب صورت ہوتی تو خرم اسے ٹھکرا کر نہ جاتا۔

مگر خرم کا مسئلہ تو دولت تھی حسن نہیں۔

اس نے سر جھٹک کر اس کی یاد کو دل سے نکالنا چاہا اور تپائی پہ دھرا فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" ایک مردانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو جی میں فریا سے بات کر سکتی ہوں؟" وہ پراعتماد لہجے میں بولی۔

"فریا؟ ایک منٹ!" مخاطب نے فون منہ سے پرے کر کے کسی کو آواز دی۔ "حیدر' حیدر فری کدھر ہے؟" آواز اتنی اونچی تھی کہ سمل با آسانی سن سکتی تھی۔

"فری آپا؟ وہ میرا خیال ہے بیل بجی تھی' خرم بھائی کو ریسیو کرنے گئی ہیں۔" پیچھے سے ایک آواز ابھری۔ وہ سمجھی اس نے غلط نام سنا ہے۔

"اچھا خرم آ گیا۔" اب ریسیور میز پر رکھ دیا گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریا لائن پر آ گئی۔ رسمی کلمات' حال احوال اور موسم کی صورت حال بتانے کے بعد سمل نے

اس سے فون اٹھانے والے کی بابت پوچھا۔
"وہ عماد ہوگا۔ ایک منٹ۔" کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟ ویسے یہ ہے بہت شرارتی۔"
"نہیں، نہیں میں نے تو ایسے ہی پوچھا تھا۔ عماد تمہارا؟"
"بھائی ہے۔"
"اچھا خیر تم کیا کر رہی تھیں؟"
"کچن میں تھی میسنگو سوفلے بنا رہی تھی۔"
"کس کے لیے؟"
"پورے ٹبر کے لیے۔" فریا ہنسی تھی۔
"تم ابھی تک جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتی ہو؟" سمل کو یاد آیا جب وہ بورڈنگ ہاؤس میں ہوتی تھی تو اکثر اپنی فیملی کے قصے سناتی تھی۔ اس کے دو چچا بمع اپنی فیملیز کے ان کے ساتھ رہتے تھے۔
"ہاں۔"
"پیچھے کس کی آواز آرہی ہے؟"
"یہ صفوان ہے۔ میرا کزن کوئی جوک سنا رہا ہے۔"
"کتنا مزہ آتا ہوگا نا تم لوگوں کو اکٹھے رہتے ہوئے۔ ایک میں ہوں کوئی بھائی بھی نہیں ہے اور کزنز تو بالکل بھی نہیں ہیں۔ میرے پیرنٹس سنگل چائلڈ تھے۔"
"تمہیں یہ اس لیے اچھا لگ رہا ہے کہ تم تنہا ہوتی ہو۔ سچ پوچھو تو جوائنٹ فیملی سسٹم عذاب ہے۔" فریا دھیمی آواز میں بولی۔
"کیوں شور بہت کرتے ہیں تمہارے کزنز؟ جیسے اس وقت کر رہے ہیں؟" سمل کو بیک گراؤنڈ میں ہونے والا شور واضح سنائی دے رہا تھا۔
"نہیں ویسے تو نہیں کرتے، مگر آج خرم آیا ہوا ہے نا۔"
اس نے بمشکل ریسیور کو تھامے رکھا۔ ظاہر ہے اس دنیا میں ہزاروں خرم ہوں گے۔
"ک۔ کون خرم؟"
"اوہ یار کیا بتاؤں؟" فریا پرجوش لہجے میں بولی۔ "دراصل ہمارے ہوٹل پر کام کرتا ہے۔ اتنا ہینڈسم ہے کہ کیا بتاؤں۔ بالکل مووی اسٹار لگتا ہے۔ آج انکل نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔"
"ڈنر؟ تمہارا ڈنر بارہ بجے ہوتا ہے؟" سمل نے شرارت سے بارہ بجاتی گھڑی کو دیکھا۔
"نہیں تو یہاں تو صرف آٹھ بج رہے ہیں۔"
"اوہ..... اچھا ہمارے بارہ ہو رہے ہیں۔" وہ کھلکھلا کر بولی۔
پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ فون بند کر کے وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ خرم کی یادوں نے پھر سے اسے گھیر لیا تھا۔
"میں اپنے دل کا کیا کروں خرم؟
میں اب بھی، اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی، اپنے ذہن کو یاد کر کے روتی ہوں۔ اب بھی خرم! تم مجھے یاد آتے ہو۔ مگر میں اس محبت کے خواب نہیں دیکھ سکتی جس کے جگنو تم مجھ سے چھین کر لے گئے ہو، میرے خوابوں کو تعبیر سے پہلے ہی تم نے چکنا چور کر دیا۔"
اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر اس کے خوب صورت بالوں میں گم ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

زندگی ایسے ہی گزرتی جا رہی تھی۔ روز و شب ایک جیسے گزر رہے تھے، بس یہی تھی سمل جہانگیر کی زندگی کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اسے خرم کو یاد کرنے پر مجبور کر دیتی، جیسے فریا کے ہوٹل پر کام کرنے والا خرم۔
فریا اکثر اس کا ذکر کرتی اور ہر دفعہ "خرم" کا نام سنتے ہی سمل کا دل ایک دم رک جاتا۔
"کل خرم کے ہوٹل کا افتتاح ہے۔" ایک دن اس نے بتایا۔
"اچھا!" سمل نے جمائی روکی۔ اس کو اس خرم نامی شخص میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
"بہت پیارا ہوٹل ہے اس کا۔"
"ہوں۔"
"بہت سے نامور صحافی بھی مدعو ہیں۔ دیکھنا کل لیڈز کے اخبارات بھرے ہوں گے اس کے ہوٹل کے ذکر سے۔"
"گڈ۔"
"میں تمہیں تصویریں بھیجوں گی اوکے!"
"اوکے۔" سمل نے شانے اچکا دیے۔
پندرہ بیس روز بعد ہی اسے فریا کا بھاری بھرکم خط ملا۔ خط تو محض تین چار سطروں کا تھا، جن میں اس نے مختصراً "خرم زید" کے ہوٹل کی افتتاحی تقریب کا احوال

لکھا تھا۔ باقی اخبارات کے تراشے اور تصاویر تھیں۔
اس نے سر جھٹکا اور لفافے سے وہ چند تراشے نکالے اور دیکھنے لگی۔
شہہ سرخی کے ساتھ لگی تصویر سے سمل اپنی نظریں نہ ہٹا سکی۔
وہ خرم زید تھا۔
اس کی خوشیوں کا قاتل، اس کے خواب توڑنے والا!
تصویر میں اس کا کلوز اپ لیا گیا تھا۔ وہ تھوڑا سا بدل گیا تھا۔ اس کے بالوں کا کٹ مختلف ہو گیا تھا، اور چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ پتلا دکھائی دے رہا تھا۔ ڈارک تھری پیس میں اس کی پرسنالٹی بہت ڈیشنگ لگ رہی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔
"تو دولت اس کو مل ہی گئی۔" سمل نے تصویر میں ہوٹل کی پرشکوہ عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ "وہ بہت جلد ایک بڑا ہوٹلیئر بن جائے گا۔"
سمل نے باقی تصویریں نکالیں۔ یہ سب کیمرہ فوٹوز تھیں۔ فریا، اس کے کزنز اور گھر والوں کے ساتھ خرم کافی انٹیمیٹ لگ رہا تھا۔
اس نے وہ تمام تصاویر اور تراشے ڈسٹ بن میں پھینک دیے اور اس بات کو بھلانے کی سعی کرنے لگی۔
لیکن کہیں دور اندر، اسے خرم کی کامیابی پر ایک انجانی سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔
خرم زید نامی شخص کو بھلانے کی ناکام کوشش کرنے کے باوجود اس نے فریا سے تفصیلاً اس کے بارے میں پوچھا تھا۔
وہ فریا کے والد اور چچاؤں کے ہوٹل پر کام کرتا تھا۔ اس کا ان کے گھر بہت آنا جانا تھا۔ صفوان (فریا کے کزن) اور عماد وغیرہ سے اس کی بہت دوستی تھی۔ شروع شروع میں فریا کے والد اور چچا نے اس کو داماد بنانے کا سوچا تھا، لیکن بعد میں انہیں نے اپنے ارادے کو ترک کر دیا تھا۔ جب سمل نے اس سے پوچھا کہ انہوں نے خرم کو داماد کیوں نہ بنایا تو فریا نہایت خوب صورتی سے بات ٹال گئی۔ سمل کو تجسس ہوا مگر اس نے کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

☆ ☆ ☆

جن دنوں اس نے اپنی تعلیم مکمل کر کے یونیورسٹی کو خیر باد کہا تھا، ان ہی دنوں فریا کی شادی طے ہو گئی۔ اس نے سمل کو بطور خاص انوائٹ کیا تھا، لیکن چونکہ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھی کہ وہاں خرم بھی ہوگا، اسی لیے ممی کی خرابی طبیعت کا بہانہ کر کے وہ نہیں گئی۔ ویسے بھی ان دنوں وہ شیخ جہانگیر کے ساتھ کام کرنے کی خواہاں تھی جو کام ماہ نور نہیں کر سکی تھی، وہ سمل کر دینا چاہتی تھی۔
"تم میرے ساتھ بزنس میں میرا ہاتھ بٹانا چاہتی ہو؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگے۔
"جی۔" وہ سہولت سے بولی۔
"تم کرنا کیا چاہتی ہو؟"
"آپ کے تو ڈھیر سارے بزنس ہیں میں کسی ایک کو۔"
"میری ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کرو گی؟"
"نہیں، میں اتنی کریٹو نہیں ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "کچھ اور بتائیں۔"
"آپ تو کہہ رہی تھیں آپ کچھ بھی کر لیں گی؟ اچھا کنسٹرکشن میں آجاؤ۔"
گو کہ اسے کنسٹرکشن کمپنی کی ایم ڈی بننے میں کوئی دلچسپی نہ تھی مگر اس بار وہ فوراً بولی "بالکل ٹھیک۔"
"جہانگیر بلڈرز" ملک کی اعلیٰ درجے کی تعمیراتی کمپنیوں میں سے ایک تھی۔ لیکن ایم ڈی کی سیٹ سنبھالنے کے ایک روز بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہاں کوئی بھی اس کو (شیخ جہانگیر کی بیٹی ہونے کے باوجود بھی) باس ماننے پر تیار نہ تھا۔
ان کی نظر میں وہ ایک کم فہم معمولی لڑکی تھی جس کو قسمت نے ان کا حکمران بنا دیا تھا، ورنہ وہ لوگ تو عمر، عقل اور تجربہ میں اس سے کہیں آگے تھے۔ اسے خود کو اپنی صلاحیتوں کو منوانا تھا۔ تب ہی لوگ اسے تسلیم کرتے۔
اور پھر وہ اپنی اسی لگن کی بیساکھی کے سہارے کسی بھی کنسٹرکشن سائٹ، کسی سیمینار یا کسی سکس اسٹار ہوٹل میں ہونے والی بزنس کانفرنس میں با اعتماد طریقے سے شرکت کرتی۔
اس کے آفس کے ایمپلائز اب اس کی عزت کرتے تھے۔ خرم نے ایک دفعہ کہا تھا۔

"انسان اپنی عزت خود کرواتا ہے۔" اب اسے اس بات پر یقین آگیا تھا۔ نجانے کیوں زندگی کی ہر مشکل گھڑی اور ہر سہل لمحے میں وہ شخص اس کی یادوں کے دریچے کھول کر اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتا تھا۔ وہ جتنا اس سے' اس کے ذکر سے یا اس کی سوچوں سے بچنے کی کوشش کرتی' اتنا ہی وہ اسے یاد آتا۔

اس کے پروفیسر ایڈم بلیک ویل نے ایک دفعہ کہا تھا "ہم زندگی میں دو لوگوں کو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ ایک وہ جو جن کو ہم یاد رکھنا چاہتے ہیں اور ایک وہ جن کو ہم بھلانا چاہتے ہیں۔"

وہ خرم کو بھلانا چاہتی تھی' اسی لیے وہ اس کو نہیں بھولتا تھا۔

کسی نہ کسی بات میں اس کا ذکر آ ہی جاتا تھا۔ جس طرح اس روز شیخ جہانگیر نے اسے فون کیا تھا۔

"کہاں ہیں آپ ڈیڈ؟"

"میں مانچسٹر میں ہوں۔"

"اچھا؟ مگر آپ تو میونخ میں تھے؟"

"ارے بھئی میں وہاں سے آگیا ہوں۔ اب ادھر ہی ہوں دو ایک روز۔"

"ہوں۔" وہ مصروف لہجے میں بولی۔ اس کے سامنے فائلوں کا ایک انبار تھا جو اسے دیکھنا تھے۔

"میں نے یہاں ایک جگہ دیکھی ہے۔" وہ پُرجوش لہجے میں بتانے لگے۔

"کیوں؟" وہ اب اکاؤنٹس چیک کر رہی تھی۔

"آف کورس ایک شاپنگ پلازہ بنانا ہے۔"

"کیوں؟" اس نے غیر حاضر دماغی سے پوچھا تھا۔

"دوسری شادی کرنی ہے اس لیے!" وہ جھلا کر بولے۔

"اوہ سوری' میں شرکت نہیں کر سکوں گی۔ مجھے یہ بلز دیکھنے ہیں مگر ڈیڈ! مما اور ماہ نور کو بتا دوں؟"

جواب میں ان کا بھرپور قہقہہ سنائی دیا تھا۔

"ویل ڈیڈ! جگہ دیکھ لی ہے تو ڈیل بھی کر لی ہو گی۔ مجھ سے برائے نام مشورے کی وجہ؟"

"میڈم! آپ میری کنسٹرکشن کمپنی پر قبضہ کر کے بیٹھی ہیں۔ آپ سے پوچھ کر ہی کوئی تعمیر ہو گی نا؟"

"بالکل!" اس نے اتفاق کیا تھا۔

پھر وہ دونوں کافی دیر تک تعمیراتی کام کو ڈسکس کرتے رہے۔ انہوں نے بات طے کر لی تھی مگر رقم ابھی ادا کرنا باقی تھی۔

اس رات کام سے فارغ ہو کر اس نے شیخ جہانگیر لوان کے ہوٹل میں فون کیا۔

"ڈیڈ! اگر آپ کی ڈیل ہو گئی ہو تو میں نے سوچا کہ آپ کا لائحہ عمل تیار کر لیں۔ کیوں ہو گئی ڈیل؟" وہ پوچھنے لگی۔

"بھاڑ میں گئی ڈیل!" وہ کافی غصے میں تھے۔

"کیوں؟" وہ ایکدم سٹپٹا کر بولی۔ "خیریت؟"

"خیریت کہاں ہے؟ میں نے دو ملین قیمت لگائی تھی۔ وہ تین ملین میں لے اڑا۔" وہ تپے ہوئے تھے۔

"وہ کون؟"

"ہے ایک ٹین ایجر تازہ تازہ بزنس کا بخار چڑھا ہے۔ لیڈز میں چند ہوٹلز بنا کر سمجھ بیٹھا ہے کہ مانچسٹر بھی لیڈز ہے۔"

"ٹین ایجر لڑکے نے چند ہوٹلز بنا لیے ہیں؟" وہ حیران سی پوچھنے لگی۔

"ٹین ایجر کہنے کا مطلب ہے وہ ناتجربہ کار ہے اسٹوپڈ!"

"اچھا کون ہے؟" وہ پھر پوچھنے لگی۔

"خرم زید نام ہے اس کا۔"

وہ بری طرح چونکی تھی۔ "اوہ تو اب وہ زمین۔"

"بھاڑ میں گئی زمین۔" ان کا موڈ سخت خراب تھا۔

"اٹس اوکے ڈیڈ! کام ڈاؤن۔"

"کام ڈاؤن؟ اس دو ٹکے کے لڑکے نے مجھے اتنی آسانی سے آؤٹ وٹ کر دیا اور تم کہتی ہو کام ڈاؤن؟" وہ اب اس پر غصہ ہو رہے تھے۔

"وہ دو ٹکے کا نہیں ہے" اس نے سوچا۔ خرم کی بے عزتی وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اس وقت یہ کہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اسی لیے وہ ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ہر ممکن سعی کرنے لگی۔

رات کو تمام کام ختم کر کے کرسی پر بیٹھی سمل کو خلاؤں میں گھورتے ہوئے دل ہی دل میں خوشی سی محسوس ہوئی تھی تو خرم اب اتنا آگے نکل چکا تھا کہ وہ شیخ جہانگیر جیسے شخص کو آؤٹ وٹ کرے۔

"واؤ!" اس نے سوچا۔ "میری تو یہی دعا ہے خرم! کہ تمہارا جو بھی مقصد ہو' جو بھی آرزوئیں ہوں' جو بھی خواب ہوں' وہ پورے ہو جائیں۔ اور تمہارے لیے دعا کے علاوہ میں کر ہی کیا سکتی ہوں؟ اور خود اپنے لیے بھی۔

☆ ☆ ☆

ماہ نور سے اس کی ملاقات زیادہ تر ہوتی ہی نہیں تھی۔ وہ اب آفس میں ہوتی تو بہت مصروف رہتی۔ اور گھر میں ہوتی تو اپنے کمرے یا اسٹڈی کو آفس بنائے رکھتی۔ اس کی رومین میں باپ کے لیے اور کسی حد تک ماں کے لیے وقت تو تھا مگر بہن کے لیے ایک منٹ نکالنا بھی مشکل تھا۔ آتے جاتے کبھی ہیلو ہائے ہو جاتی۔

لیکن یہ رہا سہا تعلق بھی اس وقت ختم ہو گیا جب ماہ نور نے ایک مشہور راک اسٹار عدیم آفندی سے شادی کر لی۔

شیخ جہانگیر کو اس کا بہت صدمہ ہوا تھا۔ بے شک وہ کسی سے بھی شادی کر لیتی' مگر مشورہ دینا تو باپ کا حق بنتا تھا۔ اس نے تو وہ بھی نہ لیا بس ایک خبر سنائی تھی۔

جہانگیر اس کلوکار کو جانتے تھے۔ اس کو اپنا کیریئر بنانے کے لیے ایک آسامی کی ضرورت تھی۔ اسی لیے ایک امیر آدمی کی بیٹی سے شادی کرنا اس کے لیے کتنا سود مند ثابت ہو سکتا تھا' جہانگیر بخوبی اندازہ کر سکتے تھے۔ وہ حقیقت سے باخبر تھے اسی لیے جب ماہ نور اپنے شوہر کے ہمراہ "جہانگیر پیلس" میں داخل ہوئی تو انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ماہ نور.....! آج سے میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ میرے ساتھ ساتھ اس گھر سے بھی تمہارا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ تم اس گھر سے کپڑوں اور جوتوں کے علاوہ ایک پیسہ بھی نہیں لے کر جا سکتیں۔ اپنی جائیداد اور کاروبار میں سے تمہارا حصہ میں ختم کر چکا ہوں۔ کل کے اخبارات کے مطابق میں تمہیں اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے عاق کر چکا ہوں گا۔ میرا اب سب کچھ سمل کے نام ہے۔ میری وصیت کے مطابق بھی تمہارا کسی چیز پر کوئی حق نہیں ہو گا اور چونکہ میری جائیداد موروثی نہیں ہے' اسی لیے تم میری وصیت کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کر سکو گی۔ اور اگر تم نے کبھی بھی خاندان کے نام کو خراب کرنے کی کوشش کی' یا کوئی الٹی سیدھی بات میڈیا کے سامنے کی تو میرے دل میں اگر تمہارے لیے کوئی تھوڑی بہت جگہ باقی بچ بھی گئی ہے' تو وہ بھی ختم ہو جائے گی اور بیٹا! مجھے معلوم ہے کہ تم میری دشمنی مول لینے کا رسک نہیں لو گی! اب تم اپنا ضروری سامان لو اور جاؤ۔" وہ جانے کے لیے مڑے مگر پھر کسی خیال کے تحت رک کر بولے "اینڈ ریممبر! نو کرنسی اینڈ نو جیولری۔"

اتنا کہہ کر وہ اپنی اسٹڈی کی طرف بڑھ گئے۔

سیڑھیوں کے قریب کھڑی سمل نے غور سے ماہ نور کا زرد پڑتا چہرہ دیکھا۔ "جب خرم کی بات تھی تو وہ شرائط رکھنے کا کہتی تھی۔" اس نے سوچا۔ اور اب عدیم کے معاملے میں اس نے کوئی شرط نہ رکھی عدیم سے بہتر تو خرم تھا۔ لالچی سہی مگر عزت کے ساتھ مجھ سے شادی تو کرنا نا کہ ماہ نور کی طرح کورٹ میرج کی رسوائی اٹھانا پڑتی۔ کیا عدیم کو دیکھ کر ماہ نور کی وہ "حس" جس سے وہ لوگوں کے "لالچ" کا اندازہ لگا لیتی تھی ایک دم ختم ہو گئی تھی؟ کیا اس کو اتنی بھی سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ ڈیڈ کے ٹکڑوں پر پلنا چاہتا ہے۔ اگر اس وقت ماہ نور کو ایسا کچھ دکھائی نہ دیا تھا تو میری باری پر اسے خرم میں کیسے "لالچ" نظر آیا تھا۔

وہ اپنی بیساکھی کے سہارے چلتے ہوئے ان دونوں کے قریب آئی۔

ماہ نور نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ اب دولت کی کنجی اس کے پاس تھی۔ سو وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"سمل! پلیز ڈیڈ کو سمجھاؤ۔ وہ یہ فضول کی ضد چھوڑ دیں ان کی دولت میری بھی ہے' اور اگر میری ہے تو اس پر عدیم کا حق بھی تو بنتا ہے نا! وہ کیوں اس طرح....."

"ایک منٹ!" سمل نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "ایک منٹ ٹھہرو نور! جب خرم کا "میری" دولت پر کوئی حق نہ تھا تو بھلا عدیم کا اس جائیداد پر کیا حق؟ اگر خرم لالچی تھا تو عدیم کتنا قناعت پسند بلکہ غیرت مند ہے؟"

عدیم کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ وہ کچھ کہہ اس لیے نہیں سکتا تھا کیونکہ اب تمام دولت کی وارث سمل تھی۔

"سمل....." ماہ نور منمنائی۔

"نور!" وہ چبا چبا کر بولی۔ "تمہارا ڈیڈ کی دولت' بلکہ میری دولت پر کوئی حق نہیں ہے۔ اب جس طرح ڈیڈ نے کہا تھا کہ اپنا سامان اٹھاؤ اور چلی جاؤ یہاں سے۔ اسی طرح اب تم یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ کہہ کر پلٹی۔

"سمل! تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتیں؟"

سمل نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "میں؟" وہ تمسخر سے ہنسی تھی۔

"ہاں' دیکھو کس لیے ہے یہ دولت' اگر ہم دونوں بہنوں کو فائدہ نہ پہنچے تو پھر....." ماہ نور بے چارگی کے عالم میں کہہ رہی تھی۔

"فائدہ کیوں نہ پہنچے؟ تم نے اٹھایا ہے نا فائدہ ساری زندگی! اب اور کیا چاہتی ہو؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔
"لیکن میں شاید تمہارے لیے تھوڑا بہت تو کر سکتی ہوں۔" سمل نے اپنا پرس کھولا اور ہزار ہزار کے تیس نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔
"یہ تمہارے ہزبینڈ کی منتھلی انکم سے تو زیادہ ہی ہوں گے اور پلیز آئندہ مجھے تنگ مت کرنا۔"
اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ اسے ماہ نور کو بے عزت کرنے اور اپنی فتح کی کوئی خوشی نہ تھی۔ اس کو معلوم تھا جس طرح وہ پژمردگی کے عالم میں اپنے کمرے میں بند بیٹھی تھی' اسی طرح اس کا بوڑھا باپ بھی تم آنکھوں کے ساتھ اپنی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا ہوگا۔
اگلی صبح ڈائننگ ہال میں ناشتے پر سمل اور شیخ جہانگیر ایک دوسرے سے بالکل نارمل انداز میں ملے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
اور واقعی۔ ان کے ساتھ تو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔
جو کچھ ہوا تھا ماہ نور کے ساتھ ہوا تھا.....

☆ ☆ ☆

"مکار چڑیل! کتنا ڈھونگ رچایا تھا بے بسی اور معصومیت کا اس نے۔ سب کو اپنے چنگل میں پھنسالیا اور میں سمجھتی رہی' وہ لولی لنگڑی بے ضرر ہے۔ وہ بزنس میں ڈیڈ کا ہاتھ بٹانے لگی' میں پھر بھی محتاط نہ ہوئی سب کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اس نے۔ یہی چاہتی تھی نا سمل کہ میں اپنے گھر سے بے دخل ہو جاؤں۔ ڈیڈ کی دولت میں میرا کوئی حصہ نہ رہے اور دیکھو جو اس لومڑی نے چاہا وہ ہو بھی گیا۔ اسے پڑھنے کے لیے یو کے بھجوایا اور مجھے اسلام آباد میں ہی رکھا۔ اس کو اتنی بڑی لائبریری بنوا کر دی اور مجھے.... ہونہہ کتنا شوق تھا مجھے میوزک کا مگر بزنس پڑھنے پر لگا دیا اور اسے..... جب اس کا دل چاہا اس نے پڑھائی چھوڑ دی۔ تب ڈیڈ نے کچھ نہیں کہا انہیں صرف میری پڑھائی کا سو کالڈ خرچ دکھائی دیتا تھا اور اور اس پر خوامخواہ ہی اتنا ہینڈسم بندہ عاشق ہو گیا۔ مجھے تو آج تک اتنا ڈیشنگ پارٹنر نہیں ملا۔" ماہ نور کیبن ہیڈرل کی پتھریلی دیوار سے کمر ٹکائے سوچ رہی تھی۔
"یہ تو اچھا ہوا سمل نے میری بات مانتے ہوئے خرم کو چھوڑ دیا۔ لیکن کیا فائدہ ہوا؟ خرم سے شادی کی صورت میں اسے آدھی جائیداد ملتی اور اب' اب تو وہ پوری' تنہا بیٹھی ہے جبکہ میں' میں ادھر لاوارثوں کی طرح بھٹک رہی ہوں۔ اب تو رسل بھی چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ میرے پاس تو کوئی اپارٹمنٹ بھی نہیں ہے رہنے کو۔ کہاں میں ادھر لندن میں کوئین الزبتھ روڈ پر ڈیڈ کے پینٹ ہاؤس میں رہتی تھی۔ جس میں بیس کمرے تھے اور کہاں میرے پاس ڈنر کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں۔ کتنا بدل گیا ہے نا وقت کیوں؟ کیوں ملا اس کو وہ سب اور میں ہیں....."
اس کی سوچ میں مخل ہونے والی آواز بہت جانی پہچانی تھی۔
"ماہ نور!" کوئی اسے پکار رہا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ اور مبہوت رہ گئی۔ وہ خرم تھا۔
"آ' آپ؟" وہ حیران سی ہو کر اسے دیکھے گئی۔ وہ تو اتنا غریب تھا۔ پھر بھلا لندن کیسے پہنچ گیا؟
"ہاں میں خرم!" وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔
"آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟" (یقیناً" غیر قانونی طور پر آیا ہوگا۔)
"میں ادھر ہی ہوتا ہوں۔" خرم نے جواب دیا۔
"لندن میں؟" (کہہ تو ایسے رہا ہے جیسے نیشنل ہو کیا پتہ ہو بھی!)
"نہیں مانچسٹر میں۔" وہ بتانے لگا۔
"کیسے ہیں آپ؟" وہ پوچھنے لگی۔
"میں ٹھیک ہوں' سمل کیسی ہے؟" وہ بے چینی سے پوچھنے لگا۔
"جی؟" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ (یہ اسٹوپڈ سمل کا حال مجھ سے کیوں پوچھ رہا ہے؟ اسے نہیں معلوم کہ ڈیڈ نے مجھے عاق کر دیا ہے؟)
"سمل کیسی ہے؟" وہ پھر پوچھنے لگا۔
"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ سمل کیسی ہے؟" (اوہ! مجھے کیا پتہ وہ کیسی ہے؟)
"ہاں' تم اس کی بہن ہو اس کے ساتھ رہتی ہو تم ہی سے پوچھوں گا۔"
(ہیں! اسے نہیں معلوم کہ میں اب اس کے ساتھ نہیں رہتی؟ میں تو پچھلے سات ماہ سے اس سے نہیں ملی پھر یہ اس طرح کیوں بی ہیو کر رہا ہے؟)
"آپ کو' آپ کو کچھ نہیں پتہ؟" اب وہ کیسے بتاتی کہ شیخ جہانگیر نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔
"کیا نہیں پتہ؟" وہ پریشان ہو گیا تھا۔ (یہی کہ میں اس کے ساتھ نہیں رہتی ایڈیٹ)
"آپ سمل سے آخری بار کب ملے تھے؟" (اگر سات ماہ سے نہیں ملا تو پھر اسے کچھ پتا نہیں ہوگا)
"جب اس نے مجھے گھر بلایا تھا۔ 17 مارچ تھی!" وہ بولا۔
"اوہ۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا (تو کیا واقعی سمل نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ کتنی ایڈیٹ ہے نا سمل! اتنے ہینڈسم بندے کو چھوڑ دیا۔ بے وقوف نہ ہو تو۔ خیر اتنی بے وقوف تو نہیں ہے ڈیڈ کی پوری دولت ہتھیالی ہے۔ ہونہہ.....)
"یعنی آپ کو کچھ نہیں معلوم۔" وہ بولی۔
"نہیں نور! پلیز بتاؤں نا! کیا ہوا سمل کو؟" وہ ایک دم گھبرا گیا تھا۔
اس کی اس بات پر وہ حیران رہ گئی۔ یعنی اس کے خیال میں سمل کو کچھ ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد سمل نے خودکشی کی کوشش کی تھی اور ایک دم نور کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اس نے نامحسوس طریقے سے خرم کا جائزہ لیا۔ اس کے کپڑے تو اچھے خاصے تھے۔ یقیناً" بہت مہنگے ہوں گے اور جیکٹ غالباً" مارکس اینڈ اسپنسرز کی تھی (واؤ یہ تو کافی امیر ہو گیا ہے۔ ایک اچھا سا اپارٹمنٹ بھی ہوگا اس کے پاس۔ مجھے فی الحال یہی چاہیے۔ ٹھیک ہے۔ بس ایک دفعہ اس کے دماغ سے وہ لنگڑی چڑیل نکل جائے نا۔ باقی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ سمجھ رہا ہے سمل کو کچھ ہوا ہے۔ سمل نے خودکشی کی تھی اگر..... اگر میں یہ کہہ دوں کہ وہ مر گئی ہے تو؟)
"آپ اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔" ماہ نور نے بات کا آغاز کیا "وہ بہت دلبرداشتہ تھی۔ اس سے آپ کی بے وفائی برداشت نہ ہو سکی اور اس نے....." وہ اب آنکھوں میں آنسو لانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"کیا کیا اس نے بتاؤ نا نور!" وہ زور سے چیخا تھا۔
"آپ کے جانے کے فوراً" بعد سمل نے..... سمل نے خودکشی کر لی۔" اس کو مرے ہوئے تین سال سے اوپر ہو گیا ہے۔ (اور مجھے سات ماہ ہو گئے ہیں زندہ درگور ہوئے اس کو ہم سب نے بہت دکھ دیے تھے میں نے بہت برا کیا تھا اس کے ساتھ (اور اس کا حساب سمل نے ان چند ہزار کی ذلت میں چکا دیا جو اس روز اس نے مجھے دیے تھے)
اور اور آپ نے بھی بہت برا کیا تھا (ہاں تم نے اس کو پسند کر کے بہت غلط کیا تھا۔ میرے ہوتے ہوئے بھی اس چڑیل سے محبت۔ اف پتہ نہیں تمہاری عقل کہاں تھی) آپ اس کو چھوڑ کر چلے گئے تھے (بہت اچھا کیا بلکہ اچھا نہیں کیا۔ تمہاری اس سے شادی ہو جاتی تو کم از کم آدھی دولت تو مجھے ملتی۔ اب تو وہ پوری ہو چکی ہے) ساری زندگی اس کے ساتھ زیادتی ہوتی رہی (یہی بات وہ بڑی معصومیت سے ڈیڈ سے کہتی ہوگی تب ہی تو پوری دولت پر سانپ بن کر بیٹھ گئی ہے) اب وہ اور کیا کرتی؟ (سوائے ہر چیز پر قبضہ کرنے کے) ڈیڈ یا ممانے کبھی اس کو بیٹی نہ سمجھا تھا (سٹیپ ڈاٹر ہی سمجھا تھا) حالانکہ وہی اچھی بیٹی تھی (ڈیڈ کے خیال میں۔)
ماہ نور اب اپنی حالت کا سوچ کر رونے لگی تھی۔ اس نے خرم کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھے تھے۔
"تھوڑا سا شاک ہے۔ جلد ہی ری کور کر لے گا۔ پھر یہ میرا ہوگا۔" اس نے سوچا تھا۔
"تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟" کافی دیر کی چھائی ہوئی خاموشی کو خرم نے توڑا تھا۔
"میں' میں بہت ڈیپریسڈ تھی۔ اس لیے ادھر آ گئی۔" ماہ نور اب اپنے آنسو روک رہی تھی (اف! میں اتنی اچھی ایکٹریس ہوں۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔ ڈیڈ نے بھی مجھے بزنس پڑھنے پر لگا دیا اگر میں لاس اینجلس چلی جاتی تو ہالی وڈ کی ٹاپ کی ایکٹرس بن جاتی۔ مجھے پہلے خیال آ جاتا تو کتنا اچھا تھا)" اسے نئے افسوس نے گھیر لیا۔
"آپ پاکستان سے کب آئے؟"
"97ء کے مئی میں۔" خرم نے کہا۔
"یہ تو فوراً" ہی بھاگ آیا۔" ماہ نور نے سوچا۔
"اس کے بعد واپس نہیں گئے؟"
"نہیں۔" خرم نے آہستہ سے کہا تھا۔
"باہر چلیں؟" ماہ نور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ تو اور بھی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر فی الحال اسے دکھی ہیروئن کا رول کرنا تھا' اسی لیے پژمردہ سی شکل بنا کر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ ایک دم اسے لگا کہ وہ پیچھے رہ گیا ہے۔ ماہ نور نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو وہ بولا۔
"میری بہن اندر ہے۔ تم جاؤ میں بعد میں جاؤں گا۔"
ماہ نور نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہاں کھڑے ہو کر خرم کا انتظار کرنے لگی۔ اس

www.Paksociety.com

سے کچھ دور ہی ایک ریڈ بی ایم ڈبلیو کھڑی تھی جو شخص اس کا دروازہ آدھا کھولے کھڑا تھا اس کی ماہ نور کی طرف پشت تھی۔ وہ موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ ایک دم ہی وہ اس کی طرف مڑا تھا۔ ماہ نور کو ایک جھٹکا لگا تھا۔

وہ گیری تھا۔ گیری مک کوئین وہ اوپیرا ہاؤس تھا۔ اس سے زبردست پینٹ ہوئے امریکہ میں کوئی نہیں تھا۔ ایک دفعہ جب وہ عدیم کے ساتھ فارن ٹور پر امریکہ گئی تھی تو لاس ویگاس میں وہ گیری سے ملی تھی۔ اس وقت وہ عدیم کی محبت میں اتنی گرفتار تھی کہ اسے گیری کی نگاہوں میں اپنے لیے پسندیدگی دکھائی نہیں دی تھی۔ اس نے سنا تھا وہ غیر شادی شدہ ہے۔ اس وقت بھی وہ اکیلا تھا۔

ماہ نور نے ایک نظر اپنے پیچھے موجود لش گرین گھاس والے وسیع و عریض گراؤنڈ پر ڈالی جہاں خرم زید تھا۔ وہ شکل میں گیری سے لاکھ درجے اچھا تھا مگر اس کو اندازہ تھا کہ گیری مک کوئین بے تحاشا دولت کا مالک ہے دوسرے، خرم کو وہ پہلے بھی اتنی خاص پسند نہیں تھی۔ اگر اب وہ اسے نہیں ملتا تو اس طرح تو وہ بالکل تہی دست رہ جاتی۔ جبکہ گیری کے حوالے میں اسے زیادہ فائدہ نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر وہ کھڑی رہی اور بالآخر یہ سوچتے ہوئے کہ اگر گیری نے نہ پہچانا تو وہ خرم کے لیے ٹرائی کرے گی، وہ ریڈ بی ایم ڈبلیو کی طرف بڑھ گئی۔

گیری مک کوئین نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ڈیڈ! یہ ہوٹل کتنا زبردست ہے۔" فورک کی مدد سے مکرونیز منہ میں رکھتے ہوئے بے اختیار اس نے شیخ جہانگیر سے پوچھا۔ "پتہ تو کریں کس کا ہے۔"

"ایک پاکستانی بزنس مین کا ہے۔" انہوں نے اخبار پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ سمل کے ذہن میں فوراً ایک نام آیا تھا۔

"واؤ، مجھے نہیں پتا تھا کہ پاکستانیوں کے دوبئی میں بھی ہوٹلز ہوتے ہیں۔" وہ بظاہر لاپروائی سے بولی۔ "ویسے ہے کس کا؟"

"تمہاری ایک فرینڈ تھی فریال تم نے ایک دفعہ بتایا تھا۔ اس کے ابو کا ہوٹل ہے۔ وہ جولیڈز میں رہتے ہیں۔"

سمل کے جذبات پر اوس پڑ گئی۔

"کون سی فرینڈ سمل؟" مما کے پوچھنے پر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"میری کلاس فیلو تھی مما! لیڈز میں رہتی تھی۔ اب اس کی شادی ہو گئی ہے اس کی آج کل فرانس میں ہونی ہے۔" وہ بتانے لگی۔

"دیکھو سمل! تمہارے ساتھ کی ہر لڑکی کی شادی ہو گئی ہے اور ایک تم ہو کہ خوامخواہ اس بزنس کے بکھیڑوں میں الجھی ہوئی ہو۔" مما روایتی ماؤں والے انداز میں اس سے مخاطب تھیں۔ "بس بہت ہو گیا۔ تمہارا باپ تو بے چارا بزنس مین اس کو تمہاری ذرا فکر نہیں ہے مگر تم تو سمجھ دار ہو۔ اپنی زندگی کو یوں ان فضول کاموں میں مت الجھاؤ۔"

سمل نے بچاؤ کے لیے باپ کی جانب دیکھا مگر وہ ایک دفعہ پھر اخبار میں غرق ہو چکے تھے۔

"مما پلیز!" وہ سختی سے بولی۔ "آپ کیوں میری شادی کی فکر کرتی ہیں؟ میں لنگڑی ہوں اور میرا نہیں خیال کہ لنگڑی لڑکیوں سے کوئی بخوشی شادی پر رضامند ہو جاتا ہے۔" نہایت تلخی سے کہے گئے ان الفاظ پر بھی شیخ جہانگیر نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

"لیکن سمل! حقیقت یہ نہیں ہے۔" مما تیز لہجے میں بولیں۔ "حقیقت تو اس سے مختلف ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ اب کے حیران سی ہو کر ماں کا چہرہ دیکھنے لگی۔

کافی عرصہ پہلے ایک لڑکا تم میں انٹرسٹڈ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے اسے انکار کر دیا۔" ان کی بات پر سمل تو اپنی جگہ ساکت ہو ہی گئی مگر شیخ جہانگیر بھی یک دم چونکے تھے۔

"کون سا لڑکا؟" وہ پوچھنے لگے۔

"پتہ نہیں۔ مجھے تو نہیں پتا۔" وہ گھبرا کر جلدی سے بولی۔

"کس کی بات کر رہی ہو؟" وہ اب بیوی سے پوچھ رہے تھے۔

"ایک لڑکا تھا۔" وہ اب ان کی جانب رخ کیے بتا رہی تھیں۔ "کئی بار سمل کے ساتھ گھر بھی آیا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا وہ سمل کو پسند کرتا ہے۔ وہ تھا بھی بہت اچھا! بہت اسمارٹ، بہت ہینڈسم میں نے ماہ نور سے پوچھا تھا ایک دفعہ۔ اس نے بتایا کہ یہ لڑکا سمل کو پسند کرتا ہے۔"

"وہ، وہ لالچی تھا۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"تمہیں کیسے پتہ؟" جہانگیر اب تفتیشی موڈ میں تھے۔

"اس نے کہا تھا؟"

"مجھے، مجھے نور نے کہا تھا۔" وہ بالآخر سچ بول ہی گئی۔

"تمہیں نور نے کہا تھا؟" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ "سمل! تمہیں نور نے یہ سب کچھ کہہ دیا اور تم نے یقین کر لیا؟"

"لیکن جہانگیر! نور نے مجھے بتایا تھا وہ لڑکا سمل کے ساتھ بالکل فیئر تھا مگر سمل نے اسے چھوڑ دیا۔" مما حیرانی سے بولیں۔

"تم یہ سب کچھ مجھے اب کیوں بتا رہی ہو؟" وہ اب اپنی بیگم سے مخاطب تھے۔ "پہلے کیوں نہ بتایا؟"

"میں اسی لیے خاموش رہی کہ شاید یہ ہی کچھ بتا دے مگر اب مجھے ہی اس کی شادی کی فکر کرنی ہے۔"

"اب کہاں ہے وہ لڑکا؟" وہ اب اس سے مخاطب تھے۔

"پتہ نہیں۔ میں تو پچھلے پانچ برسوں سے اس سے نہیں ملی۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ "ویسے بھی ہمارا بریک اپ ہو گیا تھا۔"

"پوچھ سکتا ہوں کیوں؟"

"میں نے بتایا نا کہ وہ لالچی....."

"یہ بات تمہیں نور نے بتائی تھی۔ تم مجھے وہ بتاؤ جو ....." مگر ان کی بات مکمل نہیں ہو سکی۔

"زہے نصیب! بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں۔" ایک شوخ سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ایک ینگ اور اسمارٹ سا لڑکا غالباً شیخ جہانگیر سے مخاطب تھا۔

"بڑے لوگ چھوٹے لوگوں کو ہی دیکھ رہے تھے۔" شیخ جہانگیر بھی خوشگوار موڈ میں بولے۔ وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھا اور ان سے مصافحہ کیا۔

"ویسے مجھے معلوم ہے کہ میں بہت گڈ لکنگ ہوں۔ اسی لیے مجھے اتنے شوق سے دیکھنے کے بجائے آپ کوئی سلام دعا ہی کر لیتے۔" وہ ان کے کہنے پر ان کے برابر ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"سلام کرنا بھی تمہارا کام تھا اور رہی دعا۔" وہ مسکرائے "تو وہ بھی تم ہی دے دو۔"

"اوکے!" اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔" اس نے ہاتھ گرا دیے۔ "اچھی دعا تھی نا؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"یو ایڈیٹ!" وہ ہنستے ہوئے بولے۔ "خیر چھوڑو یہ میری بھانجی ہیں سلمیٰ اور یہ میری بہت پیاری اور اچھی بیٹی ہے سمل۔"

"آداب آنٹی!" وہ فوراً بولا۔ "اور آپ کو بھی سلام مس جہانگیر۔"

"سلمیٰ! سمل! یہ میرا دوست ہے۔ جوانی کے زمانے سے۔" وہ کہہ رہے تھے۔ سمل نے حیرانی سے اس بمشکل اکیس بائیس سال لڑکے کو دیکھا۔

"حیران نہ ہو۔ مس!" وہ فوراً بولا۔ "یہ اپنی نہیں میری جوانی کی بات کر رہے ہیں۔ ان کی جوانی تو دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں ہوگی۔" وہ جان بوجھ کر آخری فقرہ آہستہ سے بولا تھا مگر انہوں نے پھر بھی سن لیا تھا تب ہی فوراً بولے۔

"میں آج بھی تم سے زیادہ ہینڈسم ہوں مسٹر! اور یہ میرا ڈھائی دن پرانا دوست ہے۔" وہ اب سمل سے مخاطب تھے۔ "تمہاری فرینڈ فریال ہے نا۔ اس کا چھوٹا بھائی ہے۔"

"عماد؟"

"جی۔" اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"میں اس سے پرسوں ملا تھا۔" وہ بتا رہے تھے۔

"اس وقت یہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ ڈنر کر رہے تھے۔" عماد نے دھیرے سے سمل سے کہا۔ "میں نے ڈنر اپنی فیملی کے ساتھ کیا تھا۔ تم سے تو میں صبح ملا تھا!"

"اوہ اچھا۔" وہ کچھ کھسیانا سا ہو کر بولا۔

"اور کام کیسا جا رہا ہے؟" وہ پوچھنے لگے۔

"اوہ سر کچھ نہ پوچھیں۔" عماد نے ایک دم مسکین سی شکل بنالی۔ "میرے ابا نے مجھ غریب کو یہاں جھک مارنے بھیج دیا ہے۔ دن رات کام کرتا ہوں پھر بھی ڈانٹتے ہی رہتے ہیں۔ اب خود ہی دیکھیں نا! چھٹیاں عیش کرنے کے لیے ہوتی ہیں یا کام کرنے کے لیے؟"

"کام کرنے کے لیے!" سمل فوراً بولی۔

"اوہ ریئلی! پھر آپ میرا سارا کام کر دیں میں دل کی تہہ سے آپ کا مشکور رہوں گا۔"

"عماد، تہہ دل سے ہوتا ہے اور شکور نہیں مشکور ہوتا ہے۔" شیخ جہانگیر نے فوراً لقمہ دیا۔

سمل نے اتنا حاضر جواب اور ہنس مکھ بندہ آج تک نہیں دیکھا تھا۔ جتنی دیر وہ ان کے پاس بیٹھا رہا وہ ہنستی ہی رہی۔ عماد کی گفتگو ہی اتنی دلچسپ ہوتی تھی۔

"چائے پئیں گے؟" سمل چائے کا آرڈر دینے کے بعد

اس سے پوچھنے لگی۔
"ظاہر ہے آپ کے پوچھنے پر میں تکلفاً" انکار کروں گا۔ پھر آپ اصرار کریں گی تو میں کروں گا' چلیں ایک کپ سہی' اسی لیے پوچھ رہی ہیں آپ؟"
"نہیں تو' تم بھی نا بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔"

"ویسے میں چائے کے ساتھ ساتھ کھانا بھی کھاؤں گا۔ بلکہ اگر آپ مجھے شاپنگ پر لے جائیں گی تو پورا ٹاؤن سینٹر خرید لوں گا۔ تکلف مت کیجئے گا سمل! آپ مجھے دبئی کے ہر ریسٹورنٹ کا کھانا کھلا سکتی ہیں' میں بالکل برا نہیں مانوں گا۔ بشرطیکہ بل آپ دیں گی لیکن۔" اس نے گھڑی دیکھی "ابھی نہیں ابھی مجھے بہت کام کرنا ہے' پھر کبھی۔ اوکے اب میں چلتا ہوں۔" وہ اتنا کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے اس نے یہ کہہ کر سمل سے اس کا موبائل نمبر لے لیا کہ "میں تمہیں کال کروں گا۔" سمل اور شیخ جہانگیر بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ سمل کا خیال تھا وہ اس کی بیساکھی دیکھ کر حیران ہوگا مگر عماد کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔

وہ چلا گیا تو جہانگیر نے چائے اوپر کمرے میں لانے کا آرڈر دیا اور سمل کے ساتھ اپنے سوٹ میں واپس چلے گئے جبکہ سلمیٰ تو پہلے ہی شاپنگ کی غرض سے وہاں سے جا چکی تھیں۔

لگژری سوٹ کے سٹنگ روم میں جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو شیخ جہانگیر' عماد کے بارے میں بات کرنے لگے۔
"اچھا لڑکا ہے۔"
"مگر تیز بہت ہے۔" سمل نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
"وہ تو ہے۔" وہ ہنسنے لگے۔
"فریا کہتی تھی ایک ہزار شیطان مرے تھے تو عماد پیدا ہوا تھا۔" وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ چائے آگئی۔ اس نے دو پیالیاں سیٹ کیں اور قہوہ ڈالنے لگی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تو انہوں نے بجائے ریسیور کان سے لگانے کے اسپیکر آن کر دیا۔
"سر! آپ کے لیے مانچسٹر سے کال ہے۔" سمل نے پیالیوں میں دودھ انڈیلتے ہوئے آپریٹر کی آواز سنی۔
"ہاں ملاؤ۔" وہ بولے۔
اس نے چینی نمس کی۔
"جہانگیر اسپیکنگ۔" وہ سلسلہ ملنے پر بولے۔
"میں خرم بات کر رہا ہوں۔" اسپیکر میں سے آواز ابھری۔ "خرم زید!"

سمل کے ہاتھ سے پیالی چھوٹ گئی۔ شیخ جہانگیر حیرانی سے اس کی طرف دیکھا مگر وہ اتنی ہی شاکڈ نگاہوں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔
"کون خرم زید؟" وہ شاید پہچان نہیں پائے تھے مگر سمل اس آواز کو کیسے بھلا سکتی تھی۔
"وہی خرم زید جس نے مانچسٹر میں دمنر اور روڈ والی زمین آپ کے ہاتھوں سے چھینی تھی۔" جہانگیر نے اس کی طرف دیکھ کر شانے اچکا دیے۔ "ہوں..... پھر؟"
"پھر یہ مسٹر جہانگیر! کہ بزنس میں رقابت ہے مگر دھوکا نہیں۔" ادھر سے دانت پیس کر کہا گیا تھا۔
"میں نے کسی کے ساتھ دھوکہ نہیں کیا زید! تمہیں" زمین چاہیے تھی سو مل گئی۔ میں تو اس بات کو بھول بھی چکا تھا۔" جہانگیر آرام سے بولے۔
"ایبلا ٹنک پینل اینڈ گلاس کمپنی آپ کی ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔
"آں ہاں' کیوں؟" وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔
"آپ اس کو دھوکا نہیں سمجھتے مگر میرے نزدیک غلط مال سپلائی کرنا دھوکہ ہی ہے۔" اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا تھا۔ اس نے صدمے اور دکھ سے اپنے عزیز باپ کو دیکھا۔
"آپ نے اس کو غلط مال سپلائی کیا تھا؟" وہ بولی تو اس کی آواز میں گہرے دکھ کی پرچھائیاں تھیں۔
"نہیں' دماغ خراب ہو گیا اس لڑکے کا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگے۔
"آپ نے کوئی دھوکا کیا ہے اس کے ساتھ؟" وہ دھیرے سے بولی۔
"نہیں! مجھے تو ابھی پتہ چلا ہے کہ ہم نے اسے مال سپلائی کیا ہے۔ ایک منٹ۔" انہوں نے اپنا موبائل نکالا اور کوئی نمبر پنچ کرنے لگے۔ پھر وہ فون کان سے لگائے باہر نکل گئے۔

سمل نے ایک نگاہ ان کی ٹھنڈی ہوتی چائے پر ڈالی اور ایک اپنے قدموں کے قریب گری پیالی پر' پیالی بہت نازک تھی اسی لیے انتہائی نرم قالین ہونے کے باوجود بھی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بس اپنے جوتوں کو ہی دیکھتی رہی۔ تقریباً" پانچ برس سے اوپر ہو گیا تھا خرم کو دیکھے ہوئے اور اس کی آواز سنے ہوئے اور اب' اب اس نے اس کی آواز سنی تھی۔

بالکل ایسے جیسے وہ اس کے قریب ہو' بہت قریب.....

☆ ☆ ☆

"ٹاؤن سینٹر" میں اس پرفیوم کی شاپ پر آدھا گھنٹہ مغز ماری کے بعد اسے اپنا مطلوبہ پرفیوم ملا تھا۔ اس نے اسے پیک کروایا اور قیمت ادا کرنے کے لیے پرس میں ہاتھ ڈالا مگر یہ اتفاق ہی تھا کہ اندر چھ درہم اور تین ڈالرز کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ اپنا کریڈٹ کارڈ وہ غالباً" ہوٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ نہ ہی کوئی چیک بک اس وقت اس کے پاس تھی۔
"اب پے منٹ کیسے کروں؟" سمل بری طرح جھنجلائی۔
"ڈیڈ!" اس نے باپ کو فون کیا۔ "میں ٹاؤن سینٹر میں ہوں۔ ایک پرابلم ہو گئی ہے۔"
"کیوں' کیا ہو گیا؟"
"میں پرس میں پیسے رکھنا بھول گئی۔ اب کہاں سے لوں؟"
"جتنے پیسے چاہئیں واپس آکر لے لو۔" ان کی آواز میں دلدہا سا جوش تھا۔ "میں گاڑی بھیجوں یا؟"
"گاڑی ہے میرے پاس اور ڈرائیور بھی ہے۔"
"اچھا ٹھیک ہے۔"
"پھر میں یہ پرفیوم چھوڑ کر آجاؤں؟" اس نے ایک نظر اس پرفیوم پر ڈالی۔
"ہاں' تم آجاؤ تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔"
"کس سے؟" وہ اچھنبے سے بولی۔
"ایک زبردست شخصیت میرے سامنے موجود ہیں۔"
"ہو گا کوئی آپ کا پرانا' سنو کر فرینڈ۔" سمل نے منہ بنایا۔
"نہیں نہیں بھئی' ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔
"اچھا پھر میں آرہی ہوں۔"
"اوکے آل رائٹ جلدی سے آجاؤ۔" سمل نے سلسلہ منقطع کیا' سیلز مین کو مجبوری بتائی' ایک نگاہ کاؤنٹر پر رکھے گئے پرفیوم پر ڈالی اور شاپ سے باہر نکل آئی۔

اس کو آتا دیکھ کر شوفر نے پھرتی سے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

آفس میں داخل ہو کر وہ سیدھی رسیپشن کی طرف بڑھ گئی۔ تب ہی اس نے کاریڈور میں لگے تین لیفٹ دیئرز میں سے درمیان والے کا دروازہ کھلتے دیکھا باہر آنے والے چار افراد میں سے ایک کو دیکھ کر سمل جہانگیر سانس لینا ہی بھول گئی تھی۔

جان فلپس کے گہرے تھری پیس سوٹ اور ٹائی میں وہ بہت متاثر کن شخصیت کا مالک ڈیشنگ سا آدمی خرم ہی تھا۔ اس نے بال موز سے پیچھے کر رکھے تھے اور دائیں ہاتھ میں بریف کیس پکڑ رکھا تھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں چلتا ہوا اس کے سامنے سے گزر کر باہر نکل گیا۔ اس کو عادت تھی ناک کی سیدھ میں چلنے کی۔ پوری دنیا کو نظر انداز کر کے وہ سیدھا ہی چلتا تھا۔

وہ محض اس کی ایک جھلک دیکھ پائی تھی اور اس ایک جھلک نے ہی اس کے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔

اس نے اسے پانچ برس بعد دیکھا تھا۔ وہ کہتا تھا میں بہت آگے جانا چاہتا ہوں' پوری دنیا فتح کرنا چاہتا ہوں' اس کے لباس اور انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ واقعی بہت آگے چلا گیا ہے' کئی ہونلز کی چین بنا چکا ہے وہ اتنا آگے چلا گیا ہے کہ سمل جہانگیر اس کے دماغ سے محو ہو گئی ہے۔

"بھلا کون ایک لنگڑی اور کم شکل لڑکی کو یاد رکھتا ہے۔" اس نے سوچا۔

تھکے تھکے قدموں سے چلتے ہوئے وہ شیخ جہانگیر سے ملے بغیر ہی واپس چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"تم مجھ سے ملے بغیر کیوں چلی آئیں؟" وہ اس کے برابر والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔
سمل خاموشی سے اپنے جوتوں کو تکتی رہی۔
"میں تمہیں خرم سے ملوانا چاہتا تھا۔ وہ مجھ سے ایکسکیوز کرنے آیا تھا۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔ بہت محنتی' محض چار پانچ برسوں میں اس نے اتنی ترقی کر لی ہے' بہت کم....." اپنی ہی دھن میں بولتے ہوئے وہ ایک دم رک گئے۔
"کدھر گم ہو؟" انہوں نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا۔
"یہیں ہوں۔" سمل نے سر اٹھایا۔ "مجھے کہاں جانا ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔
"اپنی پرابلم؟" ان کے لہجے سے پریشانی جھلک رہی

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at

0336-5557121

تھی۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"میں پہلے کب بہت بولتی ہوں۔" اس نے صوفے سے ٹیک لگالی۔

"پھر بھی کوئی بات تو ہے؟"

"آپ کو ماہ نور یاد نہیں آتی؟" انھوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"بتائیں ناڈیڈ! آپ کو نور یاد نہیں آتی؟" اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔ "دو برس ہو گئے اس کو گھر چھوڑے ہوئے؟ کیا اتنی ڈھیر ساری دولت میں سے تھوڑی سی رقم بھی ہم اس کو نہیں دے سکتے تھے؟"

"اس نے طلاق لے لی تھی عدیم سے۔" وہ ایسے بتا رہے تھے جیسے اسٹاک کی صورت حال بتا رہے ہوں۔

"کب؟" سمل کی آواز بمشکل نکلی تھی۔

"شادی کے تین ماہ بعد ہی۔"

"آپ کو کیسے.....؟" اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

"میں ملا تھا اس سے۔" وہ سامنے رکھی میز کی شفاف سطح کو دیکھ رہے تھے۔ "وہ، وہ نہیں رہی جو پہلے تھی بالکل بدل گئی ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا اس کو واپس لے آؤں مگر اس کو دیکھنے کے بعد میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔" وہ خاموش ہو گئے۔

"مگر، مگر ڈائیورس کیوں لی اس نے؟"

"عدیم کا امیر باپ کی غریب بیٹی کے ساتھ گزارا نہ ہو سکا تھا۔ بہت برے حالوں میں تھی ماہ نور۔ وہ نازوں میں پلی بڑھی تھی۔ بھلا کب تک برداشت کرتی۔ عدیم کے ساتھ کسی فارن ٹور پر گئی اور پھر وہیں طلاق لے لی۔"

"مگر ڈیڈ وہ تو اس سے بہت محبت کرتی تھی۔"

"پیٹ میں روٹی اور جیب میں پیسہ نہ ہو تو محبت دکھائی نہیں دیتی۔ بائیس سال تک عالیشان گھر میں شہزادیوں کی طرح پرورش پانے والی لڑکی جو فرانس کے پرفیومز اور لندن کے سوپ استعمال کرتی تھی ورساچی اور گوچی کے ملبوسات پہنتی تھی۔ وہ لڑکی بھلا کس طرح نویں منزل پر واقع چار کمروں کے فلیٹ میں رہ سکتی تھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک ماں باپ کی دولت پر عیش کرنے والے اپنے ہاتھ استعمال کرنا اپنی تضحیک سمجھتے ہیں۔ کتابوں اور قصے کہانیوں تک تو شاید محبت کی خاطر غربت میں گزارا ممکن ہے مگر پریکٹیکل لائف میں ایسا نہیں ہوتا۔"

ناچاہتے ہوئے بھی سمل کو کئی برس پہلے کی وہ شام یاد آ گئی جب اس نے خرم کے سامنے یہ شرط رکھی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ تمہاری غربت میں گزارا کرنے کو تیار ہوں۔"

اس وقت جوش جذبات میں اس نے ایسا کہہ دیا تھا مگر کیا وہ اندرون شہر کے دو کمروں والے مکان میں اپنی پوری زندگی گزار سکتی تھی؟

جب خرم کے سامنے اس نے اپنی شرط رکھی تھی، تب بھی اس کے خیال میں یہی تھا کہ وہ مان جائے گا اور وہ اس کو سچ بتا دے گی۔ لیکن اگر وہ مان جاتا تو سمل کبھی نہ مانتی۔ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والی لڑکی دو کمروں کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ نجانے کیوں اس وقت سمل کے اندر اس سے کوئی پوچھ رہا تھا "کیا تم نے غلطی کر دی۔ کیا اپنی غلطی کی وجہ سے تم نے اس کو کھو دیا؟"

"کہاں ہوتی ہے اب وہ؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

"کچھ عرصہ پہلے تک تو لاس ویگاس میں تھی۔ میں نے سنا تھا کسی پینٹ کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ کہاں ہے!" وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئے۔ "اس نے مجھے اتنے دکھ دیے ہیں سمل! کہ میرے دل میں اس کے لیے اب کوئی جگہ نہیں ہے اور پھر" وہ مسکرائے "میرے پاس تم جو ہو۔ مجھے اور کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" ان کے یوں مسکرا کر دیکھنے پر وہ بھی بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکرا دی۔

☆ ☆ ☆

"میرا موڈ نہیں ہے۔" ان کی اتنی منت سماجت کے جواب میں سمل کے پاس بس یہی چار لفظ تھے۔

"نہ ہو مگر تم چلو تو" وہ بضد تھے۔

"میرا موڈ نہیں ہے۔"

"وہاں عماد بھی ہو گا۔ جو لاسٹ ایئر دوبئی میں ملا تھا۔ یاد ہے؟ اس سے ہی مل لینا۔"

"اس کو تو اتنی بھی زحمت نہیں ہوئی کہ فون ہی کر لے حالانکہ جاتے وقت میرا نمبر لے کر گیا تھا۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

اسے خرم کے ہوٹل میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ

صرف یہ سوچ رہی تھی کہ یہ جانتے بوجھتے بھی کہ وہ شیخ جہانگیر کی بیٹی ہے' خرم نے کیسے ان کی پوری فیملی کو انوائٹ کرلیا تھا؟ کیا وہ اس کا سامنا کرسکتا تھا؟ ہنس ہنس کر اس سے بات کرسکتا تھا؟ اس کی زندگی اس شخص نے اس سے چھین لی' اس کے خواب چکنا چور کردیے' اس کے ارمانوں کا خون کرڈالا۔

کیا وہ اس کو اپنا ہوٹل' اپنی ترقی' اپنی دولت دکھا کر اس پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ سہیل جہانگیر کو استعمال کیے بغیر بھی بہت کچھ ہے؟ وہ اس کی دولت کو سیڑھی بنائے بغیر بھی بہت آگے پہنچ گیا ہے؟

فون کی گھنٹی اس کے خیالات میں مخل ہوئی تھی۔ چونک کر اس نے اپنے موبائل کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ وہ صوفے پر ہی اس سے قدرے فاصلے پر پڑا تھا۔

"ہیلو مائی گریس فل لیڈی!" ایک شوخ سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"کون بات کررہا ہے؟" وہ پہچان نہیں پائی تھی۔

"آدمی کو آئی مین بندے کو عماد کہتے ہیں۔"

"ارے! آپ کو میرا خیال کیسے آگیا؟"

"وہ کیا ہے میڈم! کہ آج آپ کے فادر کو دیکھ کر خیال آیا کہ کچھ لوگ میرے فون کے انتظار میں جاگ رہے ہوں گے۔" وہ اپنے مخصوص شوخ و شریر لہجے میں بولا تھا۔

"میں سونے ہی لگی تھی۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

"آئیں کیوں نہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"کدھر؟" وہ جان بوجھ کر انجان بن گئی تھی۔

"خرم کے ہوٹل کی افتتاحی تقریب تھی بھئی!"

"مبارک ہو۔"

"آئیں کیوں نہیں؟" وہ ٹلنے والا ہرگز نہ تھا۔

"عماد! میں ایک بزنس وومن ہوں۔ آج وہاں تو کل یہاں۔ سو بکھیڑے ہوتے ہیں۔ اتنا کام تھا آفس کا وہ بھی سنبھالنا تھا نا!" اپنے تئیں اس نے بہترین وضاحت دی تھی۔

"ذرا بھی کو آپریشن نہیں ہے باپ بیٹی میں۔" وہ ہنسا تھا "وہ کہہ رہے تھے فرینڈ آگئی تھی اس کی، کم از کم ان سے پوچھ کر جھوٹ بولنا تھا۔"

وہ کیا کہتی خاموش رہی۔

"میں انتظار کررہا تھا تمہارا!"

"اچھا؟ مگر آپ تو میرا نمبر لے کر گئے تھے فون ہی نہیں دیتے۔" وہ طنزاً بولی۔

"بھئی تمہارا نمبر مجھ سے مس پلیس ہوگیا تھا ورنہ اتنی شاندار پرسنالٹی کو کوئی بھول سکتا ہے؟" وہ بشاشت سے بولا۔

"تم پاکستان آؤ نا کبھی!" سہیل نے دانستہ موضوع بدل دیا۔

"دراصل میری اور ٹونی کی طرف سے شیری بلیسنگز اگلے مہینے پاکستان آرہی ہے۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"لو جی! اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے؟ وہ آئے تو اس سے پوچھ لینا۔ مجھ سے ریکویسٹ کررہی تھی ساتھ آنے کی۔ پر میں نے کہہ دیا میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

"ہاں بھئی تم تو جیسے پرنس آف ویلز ہو؟"

"ارے اس پرنس کو کون پوچھتا ہے۔ میں تو اس سے بھی آگے کی چیز ہوں۔" وہ اکڑ کر بولا۔

"کس نے کہا؟" سہیل نے بستر پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

"میرے باس نے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔

"اور وہ کون ہے؟" سہیل نے بمشکل جماہی روکی اور آنکھیں دھیرے سے موند لیں۔

"خرم اور کون' بلکہ وہ تو یہ بھی کہہ رہا تھا عماد جیسا پورے یوکے میں کوئی نہیں ہے۔ یقین نہیں آتا تو پوچھ لو۔" اس کی بات پر ایک جھٹکے سے سہیل نے آنکھیں کھول دیں۔

"عماد! چور! میرے فون پر کس سے کونے میں کھڑے ہو کر باتیں کررہے ہو؟" بہت شوخ لہجہ تھا خرم کا۔

"ایک منٹ۔" وہ فون کان سے دور کرتے ہوئے بولا "تمہارا پرابلم کیا ہے۔ جتنے پیسے لگیں گے دے دوں گا۔ تمہاری طرح کنجوس نہیں ہوں۔" جواب میں خرم کا بھرپور قہقہہ سہیل کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

"کم آن!" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تمہیں انکل بلا رہے ہیں۔"

"افوہ' بابا نے مجھے رضی انکل کو فون کرنے کا کہا تھا۔ میں تو بھول ہی گیا۔" عماد کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی تھی۔ پھر سہیل کو ایسے لگا کہ جیسے اس نے فون کسی اور کو تھما دیا ہے۔

"تمہاری کال ڈسکنیکٹ کردوں؟" خرم نے پیچھے سے اسے پکارا تھا۔

"نہیں' تم بات کرلو۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔" وہ جاتے جاتے بولا تھا۔ سہیل کی رگوں میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ عماد' خرم کو اس سے بات کرنے کو کیوں کہہ رہا تھا؟

"ہیلو!" خرم کی آواز اسے سنائی دی۔ وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ جواب دے یا نہ دے؟ بالآخر اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں "ہیلو" کہا۔

"عماد کو اس کے فادر نے بلا لیا ہے۔ وہ تو چلا گیا ہے۔ آئے گا تو آپ سے بات کرے گا۔" خرم نے نہایت خوش اخلاقی سے کہا۔

سہیل نے حیرت سے فون کو دیکھا۔ شاید خرم نے اس کی آواز نہیں پہچانی تھی۔

"آپ کون؟" وہ ایسے ہی پوچھ بیٹھی۔

"میں؟ میں خرم ہوں عماد کا دوست۔" وہ آرام سے گویا ہوا تھا۔

"اوکے بائے۔" اتنا کہہ کر سہیل نے فون بند کردیا۔

اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جب اس نے خرم کی آواز سنی تھی تو وہ خوشی سے کانپنے لگے تھے مگر اس وقت اس کا پورا وجود غصے سے لرز رہا تھا۔

"میں ایسے ہی اس شخص کو دل میں بسائے بیٹھی ہوں جو میری آواز تک نہیں پہچانتا ہو نہہ! نفرت ہے مجھے تم سے خرم زید شدید نفرت۔"

☆ ☆ ☆

عماد سے اس کی دوبارہ گفتگو پاکستان آنے کے ایک ہفتے بعد ہوئی تھی۔ وہ اپنی اسٹڈی میں بیٹھی آفس کا کام کررہی تھی جب اس کا فون آیا۔

نہایت مصروف انداز میں سہیل جہانگیر کے کہے گئے "ہیلو" کے جواب میں ایک دم ہی اس پر افتاد آئی تھی۔

"اس دن تو مجھے بہت طعنے مار رہی تھی کہ فون نہیں کرتے۔ خود سے اتنا بھی نہ ہوا کہ اس بے چارے کا حال ہی دریافت کرلو۔" بغیر سلام دعا کے وہ شروع ہوگیا تھا۔

"تم بے چارے کب سے ہوگئے؟" اس نے پین بند کر کے رکھ دیا اور آرام سے ٹیک لگالی۔ جانتی تھی کہ اب لمبی بات ہوگی۔

"ارے تمہیں کیا پتا میں کتنے برے حالوں میں ہوں۔" وہ معصومیت سے بولا۔ "فلو ہوگیا ہے خراب سی آواز تو آ ہی رہی ہوگی!"

"مجھے تو پانی گرنے کی آواز آرہی ہے۔ لگتا ہے کسی بچے کو نہلا رہے ہو بے بی سٹنگ کب سے شروع کردی ہے تم نے؟"

"جی نہیں میں برتن دھو رہا ہوں۔" وہ تڑ سے بولا۔

"اچھا؟ کوئی نوکر نہیں ہے یہ کام کرنے کو؟"

"ایک تھا۔" وہ مصنوعی بے چارگی سے بولا۔ "مگر اب بھاگ گیا ہے۔"

"تو اور رکھ لینا تھا۔ اتنے پیسے نہیں ہیں کیا؟" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"دراصل اس سے اچھا نوکر مجھے مل نہیں سکتا۔ ورنہ یونو میرے ہوٹل پر تو پرنس چارلس بھی ڈیوٹی دینے کو تیار ہے۔"

"کیوں چھوڑ گیا تمہارا نوکر؟"

"کسی لڑکی کا چکر تھا۔" پانی گرنے کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔

"اچھا؟" اسے تجسس ہوا تھا۔

"اس کو جتنے پیسے چاہیے تھے ہم اتنا پے نہیں کرسکتے تھے۔ اسی لیے وہ چلا گیا۔" برتن کھڑکنے کی آواز بہت زور کی آئی تھی۔

"توکر دیتے پے۔"

"ارے تم اس کی فکر میں ہلکان مت ہو۔ وہ اب بہت اچھے حالوں میں ہے۔ مسٹر نے اپنے کئی ہوٹلز بنا لیے ہیں۔ اب تو بہت بڑا آدمی ہوگیا ہے۔ تم تو جانتی ہوگی خرم زید کو؟"

"ہاں تھوڑا بہت" وہ سرد مہری سے بولی۔ "وہ نوکر تھا تمہارے ہوٹل پر؟"

"پاکستانیوں والا نوکر نہیں! ڈیوٹی منیجر تھا۔ ایک سال کام کرکے چلا گیا۔ مگر اب جب کبھی بھی آتا ہے تو میں اس سے برتن ضرور دھلواتا ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔ پانی گرنے کی آواز اب بند ہوچکی تھی۔

"موسم کیسا ہے؟" سہیل نے دانستہ طور پر موضوع بدل دیا۔

"ہلکی ہلکی سنو پڑ رہی ہے۔ تمہاری طرف کیسا ہے؟"

"سردی ہے تھوڑی سی' برتن دھل گئے؟"

"ہاں اب آلو کاٹنے لگا ہوں۔" اس نے سہولت سے کہا۔

"تم ہوٹل کے سارے کام خود ہی کرتے ہو؟" وہ قدرے تنک کر بولی۔

"نہیں تو۔ دراصل ابھی ساڑھے تین بجے ہیں۔ چار بجے سب لوگ آنا شروع ہوتے ہیں میں نے سوچا ابھی سے ریسٹورنٹ کی تیاری کرلوں۔"

سمل نے ساڑھے آٹھ بجاتی گھڑی کی جانب دیکھا اور بولی "اور پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔"

"ارے یہ کیا پوچھ لیا؟" وہ سرد آہ بھر کر بولا۔

"کیوں؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"تمہیں کیا پتہ میں کتنا غریب ہوں۔ خود دیکھ لو میں بے چارہ غریب سا لڑکا یہاں بیٹھ کر آلو کاٹ رہا ہوں۔ میرے پاس تو نئی شرٹ خریدنے کے پیسے بھی نہیں۔ روز کئی گھنٹے ہوٹل پر جاب اپنی یونیورسٹی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ گھر میں سب سے بڑا ہوں۔ میری گیارہ بہنیں ہیں جن کی شادی مجھ بے چارے کو ہی کرانی ہے۔ ساتھ ساتھ اپنے ابو کی دوسری شادی بھی کرانی ہے۔ کیا کروں؟ اتنا غریب سا لڑکا ہوں اور تم ہنس کیوں رہی ہو؟"

وہ مسلسل ہنستی چلی جارہی تھی۔

"اچھا عید کی شاپنگ کرلی؟" وہ پوچھنے لگا۔

"عید؟ ابھی تو گزری ہے۔" وہ تعجب سے بولی۔

"میں بڑی عید کی بات کررہا ہوں۔"

"وہ تو کافی دور ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "بعد میں ہی شاپنگ کروں گی۔"

"ہاں ہاں تم امیر لوگ تو بعد میں ہی شاپنگ کرو گے۔ وہ جل کر بولا۔ "مگر ہم غریبوں کو تو ابھی سے پیسے جمع کرنا پڑیں گے۔ کتنا خرچا ہو جائے گا نا عید پر؟ اور پھر قربانی کے لیے گائے بلکہ اونٹ بھی تو لینا ہے۔"

اس کی بات پر سمل ایک دفعہ پھر ہنس پڑی اور جب کافی دیر تک بات کرنے کے بعد اس نے فون رکھا تو خرم کے متعلق عماد کی کہی ہوئی بات اس کے ذہن سے بالکل محو ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

ایتھنز اولمپکس ان دنوں بڑے زور و شور سے جاری تھے۔ لیکن کھیلوں میں دلچسپی نہ ہونے کے باعث سمل اپنی کاروباری مصروفیات میں سے وقت نکال کر تھیٹر یا میوزم چلی جاتی۔

اس شام بھی وہ فراغت کے چند لمحات میں اپنی [illegible] کے سہارے چلتی ہوئی ہوٹل ریٹز کارلٹن سے باہر [illegible] آئی۔ چونکہ اس وقت اس کا کہیں بھی جانے [illegible] اس لیے وہ کچھ دیر تو فٹ پاتھ پر چلتی رہی' پھر ایک [illegible] بیٹھ گئی۔

شومئی قسمت کہ اس سنگی بینچ پر ایک فارسٹ گمپ Forrest Gump کی نیچر والا بوڑھا ڈاکٹر بیٹھا تھا' اپنے تجربات زندگی بیان کرنے کے لیے ایک آدمی کی تلاش تھی۔

شکل سے تو وہ سمل کو ڈنگر ڈاکٹر لگا تھا مگر بقول اس کے وہ ایک ماہر اسکن اسپیشلسٹ تھا۔ پہلے وہ سمل کو ایجنز کے موسم کے حساب سے کچھ میڈیکل ٹپس دیتا رہا پھر اس کو اپنے مریضوں کے بارے میں بتانے لگا۔

"میں ہفتے میں ایک دفعہ انسر میری ہاسپٹل میں جا کر مریضوں کا علاج کرتا ہوں۔ وہاں پچھلے ایک برس سے ایک عجیب و غریب بیماری کا شکار ایک مریض داخل ہے۔ میں ان گیارہ ماہ میں اس کی بیماری نہیں سمجھ سکا۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کے دانے نکل آئے ہیں۔ یہ دانے پچھلے گیارہ ماہ سے ٹھیک نہیں ہو رہے اگر ایک دفعہ اس کے دانے ٹھیک ہو جائیں تو اس کی پلاسٹک سرجری ممکن ہے۔ لیکن چونکہ اس کے پاس پیسے ہی نہیں ہیں اس لیے یہ شاید نہ ہو سکے۔"

"بہت غریب ہے وہ؟" وہ ازراہ ہمدردی پوچھنے لگی۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کا باپ تو ارب پتی ہے۔"

سمل سمجھی وہ مذاق کر رہا ہے۔ مگر اس کے چہرے کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کر وہ ایک دم حیران سی ہوئی۔

"اس کا باپ ارب پتی ہے تو اس کی پلاسٹک سرجری نا ممکن کیوں ہے؟"

"اس کے باپ نے اپنی دولت میں سے اسے کچھ نہیں دیا!" ڈاکٹر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟"

"پتہ نہیں' یہ پاکستانی ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

سمل نے چونک کر اسے دیکھا۔ "پاکستانی؟"

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔ "میری پیشنٹ پاکستانی ہے۔ ماہ نور نام ہے اس کا" سمل ورطہ حیرت سے گنگ اسے دیکھتی رہی۔

"ٹک ٹک دھر ہے آپ کا اسپتال؟" کچھ دیر بعد وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"یہاں سے تقریباً" دو میل دور Square Syntagma پر ہے کیوں؟"

"میں آپ کے پیشنٹ سے مل سکتی ہوں ڈاکٹر؟"

☆ ☆ ☆

شیشے کی دیواروں کے اندر اسے رکھا گیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ اور گلابی دانوں سے بھرا پڑا تھا۔ سمل نے اس حالت میں پہلے کبھی کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ اور ماہ نور کو دیکھنے کا تو تصور بھی نہیں کیا تھا۔ حیرت انگیز طور پر اس کی گردن' ہاتھ پاؤں سب صاف شفاف تھے مگر چہرہ خدا کی پناہ۔

اس کی بند آنکھیں ایک جھٹکے سے کھلی تھیں۔ ان میں یکدم حیرت در آئی تھی۔ چند ثانیے وہ سمل کو حیرت سے دیکھتی رہی' پھر اس حیرت کی جگہ نمی نے لے لی۔ اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکلے اور اس کے مسخ شدہ چہرے پر پھسلتے چلے گئے۔

ماہ نور نے اپنے نازک سے مخروطی انگلیوں والے خوب صورت ہاتھ سمل کے سامنے جوڑ دیے۔ وہ معافی مانگ رہی تھی۔

مگر کس بات کی؟

سمل کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

وہ آگے بڑھی اور اپنا چہرہ شیشے کی دیوار کے بہت قریب لے جا کر بولی۔ "نہیں نور! پلیز! معافی مت مانگو۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں 'میں ابھی آتی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ مڑی اور تیز تیز چلتی ہوئی وہاں سے نکل آئی۔

ایک نیٹ کیفے میں جا کر اس نے دنیا کے بہترین اسکن اسپیشلسٹ کو سرچ کیا اور وہاں سے ورجینیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز کے ڈاکٹر ہڈسن کا کانٹیکٹ نمبر لے کر انہیں فون کیا۔ اس نے اپنی کمپنی کا حوالہ دے کر انہیں ماہ نور کی بیماری کی تفصیلات بتائیں۔ ڈاکٹر ہڈسن نے اسے تاکید کی کہ وہ فوراً" کیس ہسٹری انہیں بھجوا دی جائے۔

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ ڈاکٹر میلس کے سامنے موجود تھی۔ سب سے پہلے تو اس نے اپنے یوں اچانک غائب ہو جانے کی معذرت کی اور بتایا کہ وہ اس لڑکی کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر سے مشورہ کر کے آئی ہے۔

"انس کیس رائٹ! مگر اب کوئی فائدہ نہیں!" وہ تاسف سے بتانے لگا "تمہارے جانے کے بمشکل تین منٹ بعد ہی اس لڑکی کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔"

سمل ساکت سی ڈاکٹر میلس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کل رات ایک عجیب سی بات ہوئی۔"

"تمہیں کوئی لڑکی پسند آگئی ہے نا؟" وہ شرارتاً" بولی۔

"نہیں بھئی!" اس نے بینچ سے کمر ٹکا دی اور کچھ سوچنے لگا۔

"کیا بات ہوئی؟" سمل کو تجسس ہوا۔

"کچھ نہیں۔" وہ سر جھٹک کر سیدھا ہو گیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا "تم شادی کب کر رہی ہو؟"

"میں؟" سمل نے حیران سی ہو کر اسے دیکھا۔ "میری شادی کی فکر چھوڑو اور ویسے بھی میں تب شادی کروں گی جب تم دو بچوں کے باپ بن چکے ہو گے۔"

"او مائی ڈیئر لیڈی! اٹم....."

"ڈونٹ کال می لیڈی۔" اس نے فوراً" تنبیہہ کی۔

"آل رائٹ کڈو Kiddo! اب ٹھیک ہے۔" وہ شرارتاً" مسکرایا۔

"عماد!" وہ چیخ کر بولی۔ "میں یہ کتاب تمہارے سر پر دے ماروں گی۔"

"اف! تم کیوں اتنی موٹی کتابیں پڑھتی ہو؟ ایک وہ خرم ہے وہ بھی اتنی موٹی بکس پڑھتا ہے کہ میرا دماغ چکرا جاتا ہے اور ایک تم ہو!"

"عماد ایک بات کہوں" وہ دھیرے سے بولی۔

"ارشاد! ارشاد۔"

"تم بتاؤ رات کو کیا ہوا تھا؟"

"رات کو؟ ہاں!" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا "رات کو خرم میرے پاس آیا تھا۔ وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ کچھ دیر تو باتیں کرتا رہا' پھر اٹھ کر چلا گیا۔ مجھے لگ رہا تھا وہ کافی اپ سیٹ ہے۔ پتہ نہیں کیا بات تھی۔" عماد کہتے کہتے رک گیا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے؟"

سمل جواب میں کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے اپنی بیساکھی اٹھائی اور بینچ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سمل' سمل کیا ہوا؟ میں نے کچھ غلط کہا ہے؟"

وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے ہائیڈ پارک سے نکلنے والے راستے کی جانب بڑھ رہی تھی۔
"سمل! کیا ہوا؟" وہ ایک دم پریشان سا ہو کر اس کے سامنے آگیا۔
"کتنے سال ہو گئے ہماری دوستی کو؟"
"تین چار سال مگر....."
"اور ان تین چار سالوں میں عماد، مجھے نہیں یاد ہماری کوئی ایسی گفتگو ہوئی ہو جس میں اس کا ذکر نہ ہو۔" وہ پھٹ پڑی تھی "تنگ آگئی ہوں میں اس کی تعریفیں سنتے سنتے جس چیز کا بھی ذکر کرو اس میں کہیں نہ کہیں سے خرم آجاتا ہے۔ کیا پرابلم ہے تمہارا۔ کیوں تم اس سے اتنے اتنے امپریس ہو؟ تم کیوں سمجھتے ہو کہ وہ بہت اچھا ہے؟ کتنا جانتے ہو تم اس کے بارے میں۔ تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اندر سے کیا ہے!" وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی دوبارہ بینچ پر بیٹھ گئی۔
"اگر نو سال کسی کو سمجھنے کے لیے کم ہوتے ہیں تو شاید میں اس کو نہیں جانتا ہوں گا مگر۔" وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ "تم تو اس سے کبھی ملی ہی نہیں ہو تم نے تو شاید کبھی تصاویر کے علاوہ اسے دیکھا بھی نہیں ہو گا پھر تم کیسے اس کے اندر کے بارے میں اس طرح کے دعوے کر رہی ہو؟"
"تم سے کس نے کہا کہ میں اس سے نہیں ملی؟" ایک دم سر اٹھا کر وہ بولی۔
"تم ملی ہو خرم سے؟" عماد نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"ہاں بھی اور نہیں بھی۔"
"مطلب؟"
"مطلب میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی مجھے جانا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"تم جا کہاں رہی ہو؟" وہ بھی اٹھ گیا۔
"ہوٹل!" وہ مختصراً بولی۔ عماد بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔
"ہوٹل کیوں؟ تھک گئی ہو؟"
"نہیں میری میٹنگ ہے۔"
وہ دونوں ہائیڈ پارک سے نکل آئے تھے۔
کیا تمہاری میٹنگ بہت خاص ہے کیا؟"
"عماد! میری میٹنگ پتا ہے کس کے ساتھ ہے؟" سمل گاڑی میں بیٹھ گئی مگر دروازہ بند نہیں کیا۔
عماد نے بھنویں اچکائیں۔ "جارج بش کے ساتھ؟"
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور مسکرا دی۔
"تمہارے دوست خرم کے ساتھ۔"
سمل نے گاڑی کا دروازہ بند کر لیا اور کھڑکی کے پار عماد کا حیرت زدہ چہرہ دیکھ کر مسکرا دی۔

☆ ☆ ☆

اسے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی آجائے گا حالانکہ وہ تو ہمیشہ وقت کا پابند رہا تھا۔ جب وہ دونوں پارک میں ملتے تھے تو اکثر وہ پہلے سے وہاں بیٹھا ہوتا تھا۔ سمل تو ہمیشہ تھوڑی سی دیر ہو جاتی تھی۔ وہ اس تھوڑی سی دیر میں بھی کچھ نہ کہتا بلکہ ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتا۔
وہ وقت سے پندرہ منٹ پہلے پہنچ گیا تھا۔ آج اس کے چہرے پر وہ پہلے والی دلنشین مسکراہٹ نہ تھی بلکہ ایک عجیب سی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سمل کو بہت اداس سی لگی تھیں۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ صوفے پر بیٹھا وہ شخص بہت دکھی ہے۔ مگر وجہ....؟
کس چیز کی کمی تھی اس کے پاس؟ سب کچھ تو تھا اس کی دسترس میں۔ اس نے بالآخر سب پا لیا تھا۔
"آئی ایم سوری مسٹر زید! آپ کو میری وجہ سے انتظار کرنا پڑا۔" وہ اجنبیت سے کہتے ہوئے اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ آگئے ہیں۔"
"انتظار؟" خرم نے سوچا۔ "ہاں بہت لمبا انتظار تھا میرا۔ بہت کٹھن" اس نے سر اٹھا کر سمل کی جانب دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔
سمل نے گھڑی کی جانب نگاہ دوڑائی۔ "القریش انٹرپرائزز کے چیئرمین تو مقررہ وقت پر ہی آئیں گے۔ میرا مطلب ہے پندرہ منٹ بعد۔" وہ تھوڑی سی گڑبڑا گئی تھی۔ شاید وہ نروس ہو رہی تھی۔
اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپانے کے لیے اس نے انہیں اپنی گود میں رکھ لیا اور خرم کی جانب دیکھا جو مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ زیادہ دیر وہاں نہ دیکھ سکی اور قدرے سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر سینٹرل پر پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا اسکرین پر ورلڈ کپ کی افتتاحی تقریب دکھائی جا رہی تھی۔

اس نے پہلو بدلتے ہوئے خرم کو دیکھا۔ وہ ابھی تک اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی حدت سے گھبرا کر اس نے میز پر رکھا ریموٹ دوبارہ اٹھا لیا اور آواز تھوڑی سی تیز کر دی۔
"کیسی ہو سمل؟" وہ ہولے سے بولا۔
"آئی ایم آل رائٹ مگر....."
"میں یہاں کیوں آیا ہوں، معلوم ہے تمہیں؟"
"کیونکہ آپ ہمارے ساتھ....." خرم نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا۔
"میں ایک نیم پاگل سائیکک کی بات مان کر ادھر آیا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم یہاں ہو گی۔ ان فیکٹ میرا خیال تھا میں ماہ نور سے ملنے آرہا ہوں۔"
"مگر ماہ نور تو....." وہ یکدم خاموش ہو گئی۔ یہ بات تو اس نے شیخ جہانگیر کو بھی نہیں بتائی تھی پھر اسے کیسے بتا دیتی۔
"ماہ نور مر چکی ہے نا؟" اس کو خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگا۔
"مجھے معلوم ہے۔"
"آپ، آپ کو کیسے....؟" وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔
"مجھے ایک نیم پاگل سائیکک نے بتایا تھا۔" وہ زیر لب مسکرایا۔
"جی؟" وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔
"سمل! تم نے مجھے مس کیا؟"
"نہیں" آپ میری زندگی سے نکل چکے ہیں۔ میں آپ کو مس کیوں کروں گی؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔
"نہیں سمل! میں تمہاری زندگی سے نہیں نکلا تھا۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔" وہ دھیرے دھیرے بتا رہا تھا۔
"تم نے کہا تھا کہ اگر مجھے تمہاری شرط منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ الوداع۔"
اس وقت کہنے کو میرے پاس بھی بہت کچھ تھا مگر تم نے مجھے چوائس ہی نہیں دی تھی۔ تم نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں کچھ کہوں گا تو تم اسے میرا لالچ گردانو گی۔ اسی لیے میں الوداع کہہ کر وہاں سے واپس آگیا۔ اس روز میرا شوق، میرا خواب، میرا جنون میرا مقصد بن گیا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اس وقت تک واپس تمہارے پاس نہیں آؤں گا جب تک میری حیثیت تمہارے باپ کے برابر نہ ہو۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ میں کیوں واپس نہیں آیا۔ لندن میں میں ماہ نور سے ملا تھا۔ اس نے نجانے کیوں مجھ سے جھوٹ بولا۔ اس نے.... اس نے کہا کہ کہ تم مر گئی ہو۔ تم نے خودکشی کر لی ہے اور میں، میں اسے سچ سمجھ بیٹھا میں تو اب بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ تم ماہ نور ہو گی۔"
"مسٹر زید!" وہ کہنے لگی تھی کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے موبائل کان سے لگایا اور کچھ دیر دوسری جانب سے کہی جانے والی بات سنتی رہی پھر "اوکے۔" کہہ کر اس نے موبائل آف کر دیا۔
"ہائی بن طلال نہیں آسکیں گے۔" وہ خرم کو بتانے لگی۔ "ان کی بیٹی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" وہ اپنا پرس، کتاب اور بیساکھی سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"سمل!"
"مسٹر زید! مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ جب تیسرا فریق ہی نہیں ہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ میٹنگ آف ہو گئی ہے۔" وہ دروازے کے قریب پہنچ گئی تھی۔
"سمل! پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس کی آواز میں شائستگی تھی۔ "دیوانگی کی حد تک میں نے تم سے عشق کیا ہے۔" وہ جیسے اس کی منت کر رہا تھا۔
سمل جہانگیر ایک جھٹکے سے مڑی۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں پہلے کی طرح اب بھی تمہاری باتوں میں آکر تم پر یقین کر بیٹھوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ کیا ہے مجھ میں؟ کیوں تم ایک لنگڑی اور معمولی شکل کی لڑکی کے جذبات سے کھیل رہے ہو؟ مجھے نہیں معلوم تم اتنی دولت اکٹھی کر لینے کے بعد بھی مجھ سے کس جاگیر کی تمنا رکھے ہوئے ہو؟ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتی۔ میں اب بدل گئی ہوں، بہت زیادہ۔" مزید کچھ کہے بغیر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
اس کی سخت باتوں کا برا مانے بغیر وہ صوفے پر بیٹھا ایک آواز کو یاد کر رہا تھا۔
"اس نے تمہارے لیے خود کو بدلا ہے۔ کیونکہ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔"
"کیا واقعی؟" وہ خالی کمرے کی دیواروں سے پوچھنے لگا۔ اس کے سوال کے جواب میں ہر طرف عمیق سناٹے

چھائے رہے۔ ہر سو خاموشی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیسی رہی تمہاری میٹنگ؟" اس نے چاول پلیٹ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"زبردست!" اس کے لہجے میں بشاشت تھی۔

"اچھا تم خرم سے ملیں؟" اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"ہوں۔" چمچہ منہ میں رکھتے ہوئے اس نے سرسری سا جواب دیا۔

"صبح تم بتا رہی تھیں کہ تم اس سے پہلے بھی ملی ہو؟"

"ہاں!" وہ اب مکمل طور پر کھانا کھانے میں مشغول تھی۔

"اور تم نے کہا تھا کہ تم ڈیٹیلز بعد میں بتاؤ گی۔"

"ہاں۔"

"پھر اب منہ سے کچھ پھوٹو۔" اس کے مختصر جوابات پر وہ تنک کر بولا۔

"پہلے تم ایک بات بتاؤ۔" وہ سوال جو عماد سے خرم کی دوستی کا علم ہونے کے بعد سے ہی سمل کے دماغ میں گھوم رہا تھا' اس نے بالآخر عماد سے پوچھنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

"پوچھو۔"

"یہ جو تمہارا دوست ہے خرم۔" اس نے چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا اور پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔ "اس کی شادی وادی نہیں ہوئی کیا؟"

"کیوں؟ تمہارا اس پر دل آگیا ہے کیا؟" وہ شوخی سے بولا۔ اس بات پر سمل احتجاج کرنے ہی لگی تھی کہ وہ مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "دیکھو میں مذاق کر رہا تھا۔ اچھا ویسے اگر تمہارا اس پر دل آبھی گیا ہو تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ پہلے سے ہی کسی کے عشق میں بری طرح گرفتار ہے۔"

سمل کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ تو کیا واقعی خرم کسی اور سے عشق کرتا ہے؟

"کس کے عشق میں؟"

"ٹوئی بلیٹر کے۔ بھئی ظاہر ہے ایک لڑکی کے۔"

"کون تھی؟"

"تھی ایک بادشاہ کی بیٹی!" وہ لاپروائی سے بولا۔

"عماد! تم کبھی سیریس ہو سکتے ہو؟" وہ جھلا کر بولی۔

"میں سیریس ہوں۔ تم نے پوچھا وہ کون تھی۔ میں نے بتا دیا کہ وہ ڈاٹر آف اے کنگ تھی۔"

"کنگ آف جارڈن یا کنگ آف سعودی عریبیہ؟"

"کنگ آف اسلام آباد۔"

"کیا مطلب؟" وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"اچھا مجھے کھانا کھانے دو۔"

پھر پلیٹ میں موجود چاول ختم کرنے کے بعد اس نے دوبارہ ڈش کی جانب ہاتھ بڑھایا تو سمل نے فوراً" ڈش اپنی طرف کر لی۔ "کتنا کھاؤ گے؟ اتنی دیر سے کھا رہے ہو۔ اب بس کرو اور مجھے پوری بات بتاؤ۔"

"اوکے۔" اس نے پلیٹ ایک طرف کھسکا دی۔

"خرم از اے سیلف میڈ مائی کون۔ اس کا باپ ایک معمولی سا سرکاری ملازم تھا۔ اس کی فیملی بہت غریب تھی۔ اس کا باپ چاہتا تھا کہ وہ سی ایس ایس کرنے کے لیے ماسٹرز کرے جبکہ اس کو ہوٹلئر بننا تھا۔ اسی لیے وہ اپنی پڑھائی کا خرچہ خود ہی اٹھانے کے لیے دو دو جابز کرتا تھا۔ ایک طرف کال سینٹر پر ٹیلی فون آپریٹر اور دوسری جانب ایک ہوٹل میں ویٹر! یہ تب کی بات ہے جب وہ پاکستان میں ہوتا تھا۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ غلطی سے اس نے چائے یا جوس ایک کسٹمر کے کپڑوں پر گرا دیا۔ وہ لڑکی اس ہوٹل کے اونر کی بیٹی تھی۔ اس نے خرم کو ذلیل کر کے ہوٹل سے نکلوا دیا۔ خرم کو اس جاب کی شدید ضرورت تھی۔ اس کو سمسٹر کی فیس جمع کرانی تھی۔ مگر چونکہ وہ اب....."

"میں نے اس لڑکی کے متعلق پوچھا تھا' تم کون سے قصے کہانیاں لے کر بیٹھ گئے ہو؟" وہ بے چینی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "برائیفلی بتاؤ۔"

"اچھا چلو برائیفلی بتاتا ہوں۔ ایک دن وہ اپنے اسٹوڈنٹس کے ساتھ پارک گیا۔ وہیں اس کو ایک لڑکی نظر آئی۔ خرم کہتا ہے اس نے اتنی خوب صورت اور معصوم لڑکی آج تک نہیں دیکھی تھی۔ وہ لڑکی کوئی ناول پڑھ رہی تھی پھر اس کی امی اس کو وہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ یہ خرم تھا جو اس کی وہیل چیئر چلاتا کراس کو اتفاقیہ طور پر اس کے گھر کے قریب چھوڑ آیا تھا۔ وہ لڑکی ایک ٹانگ سے معذور تھی۔ ملر خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے محبت ظاہر کی بجائے باطن سے ہوتی ہے۔ ویسے خرم کو پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی۔ بعد میں وہ اس لڑکی سے ملا میں نے بتایا تھا نا کہ ایک لڑکی نے خرم کو جاب سے نکلوایا تھا۔ وہ لڑکی اس لڑکی کی بہن تھی۔

مختصر کہ اس لڑکی کا باپ ایک کنگ تھا آئی مین بہت رچ۔ بہت زیادہ اور خرم بہت غریب تھا۔ پھر بھی خرم نے اس کو پرپوز کر دیا۔ جواب میں اس لڑکی نے خرم کے سامنے یہ شرط رکھ دی کہ وہ اس سے صرف اسی صورت میں شادی کرے گی کہ وہ اس کی باپ کی دولت میں سے ایک پائی بھی نہیں لے گا۔ یہ اس کی بے عزتی تھی اسے خرم کی محبت پر بھروسہ نہیں تھا۔ خرم بغیر کچھ کہے وہاں سے چلا آیا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ اس کی غربت اس کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ وہ بہت ambitious تھا۔ وہ اس لڑکی کے لیے پاکستان چھوڑ کر انگلینڈ آ گیا وہ چاہتا تھا کہ بہت سی دولت کمائے تاکہ اس کی حیثیت اس لڑکی کے باپ کے برابر ہو جائے۔ فرینکلی اسپیکنگ اگر میں اس کی جگہ ہوتا اور کوئی میری یوں انسلٹ کرتا تو میں تو واپس مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ مگر خیر! خرم نے محنت کرنا شروع کی۔ اس کے پاس عقل بھی تھی اور کچھ لک Luck بھی کہ وہ کتنا آگے پہنچ گیا ہے۔ لیکن اس دوران اسے معلوم ہوا کہ وہ بے وقوف لڑکی اس کے چلے آنے کو بے وفائی سمجھ کر خود کشی کر بیٹھی ہے۔ اس لڑکی کی بہن نے خرم کو بتایا تھا یہ سب مگر اب تو اس کو مرے ہوئے کئی برس بیت گئے ہیں۔ پھر بھی وہ اس کو بھولا نہیں ہے۔ اس لڑکی نے ایک دفعہ اپنا کوئی خواب خرم کو بتایا تھا کہ اس کا کس آئی لینڈ پر ایک شیلے ہو اور یقین کرو کہ خرم نے ڈارک ہابر میں ایک "ولا" بھی لے لیا ہے۔ حالانکہ وہ مر چکی ہے۔ ویسے کتنی بے وقوف تھی نا! خود ہی شرط رکھی' اس کو ہرٹ بھی کیا اور پھر خود ہی اپنے آپ کو مار ڈالا۔ تم' تم رو کیوں رہی ہو؟" وہ ایک دم گھبرا گیا تھا۔

وہ سر میز پر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ عماد صحیح کہتا تھا۔ اس کو اپنی محبت پر اعتماد ہی نہ تھا۔ کاش اس نے ماہ نور کے بجائے اپنی ماں یا باپ کو اعتماد میں لیا ہوتا۔ اس نے اس کو ایک بار ریجیکٹ کر دیا۔ وہ اسے اتنا چاہتا تھا اور اس نے کیا کیا اس کے ساتھ؟

"سمل! کیا ہو گیا بھئی! تم اس کی لو اسٹوری سن کر دکھی کیوں ہو گئیں؟ ایک تو تم لڑکیاں بھی نا دوسروں کے دکھ سن کر آنسو بہانے لگتی ہو؟ اسی لیے میں کہتا ہوں....." سمل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"دوسروں کے دکھ؟" وہ دھیرے سے بولی۔ یہ اس کے دکھ تھے اور اسی کو سمیٹنے تھے۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ویٹر کو بلایا اور ایک کاغذ اور پین لانے کو کہا۔ کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور اسے عماد کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ تم خرم کو دے دینا ٹھیک ہے۔"

"خرم کو؟ کیوں؟" ایک دم عماد کو جھٹکا سا لگا۔ "کہیں تم اسے یہ تو نہیں بتا رہیں کہ میں نے تمہیں اس کی لائف ہسٹری بتا دی ہے؟"

"نہیں!" ہتھیلی کی پشت سے اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔

"پھر؟" اس نے ابرو اچکائے۔

"یہ بس اسی کے لیے ہے۔" وہ مسکرائی۔ "عماد! جس لڑکی سے خرم پیار کرتا تھا اس کا نام کیا تھا؟"

"پتا نہیں!" عماد نے شانے اچکائے "اس نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔"

"بٹ آئی نو۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اس کا نام تھا۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔ "اس کا نام تھا۔ سمل جہانگیر"

"تت تم اس کی روح ہو؟" وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

جواب میں وہ ایک مترنم سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

خرم کے نام اس کاغذ میں اس نے لکھا تھا۔

"خرم! تمہاری سمل اپنے ڈارسی کا انتظار کر رہی ہے۔"

اسے معلوم تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔

نو سال' دو مہینے اور تیئس دن کی جدائی نے سمل جہانگیر کو بالآخر یہ بات سمجھا ہی دی تھی کہ انسان کی قسمت کا تعلق اس کی شکل و صورت سے نہیں ہوتا۔ ماہ نور جیسی حسین لڑکی ایجنسز جنرل انسر مری میں تڑپ تڑپ کر خالی ہاتھ دنیا سے جا سکتی ہے اور سمل جہانگیر جیسی واجبی صورت والی لڑکی کو سچی محبت بھی مل سکتی ہے۔ محبت حسن اور خوب صورتی کی محتاج نہیں ہوتی۔ یہ تو دل میں بستی ہے۔ اور اس کو صرف قسمت سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور اعتبار و اعتماد سے پائیدار بنایا جا سکتا ہے۔

محبت یا تو ہوتی ہے یا پھر نہیں ہوتی اور اگر محبت "ہو" تو وہ کبھی ختم نہیں ہوتی' چاہے وہ دھیرے دھیرے دلوں میں جنم لینے والی محبت ہو یا پہلی نظر کی۔

"اور کون کہتا ہے پہلی نظر کی محبت پائیدار نہیں ہوتی۔" سمل نے مسرت سے سوچا تھا۔

www.Paksociety.com

☆ ☆ ☆

"آپ کے لیے ایک وزیٹر ہے میم!" اس کی سیکرٹری نے عماد کے جانے کے تین گھنٹے بعد اسے اطلاع دی۔ اس کا دل ایک دم دھڑکا تھا۔

"ک کون ہے؟" وزیٹنگ کارڈ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے وہ بے خیالی سے بولی۔

"یہ صاحب باہر لابی میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر چلی گئی۔ سمل نے اس وزیٹنگ کارڈ کو بغور دیکھا۔ وہ خرم کا تھا۔

اس نے جلدی سے بالوں میں برش پھیرا اور ہمیشہ کی طرح آنکھوں میں کاجل ڈالا۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتے ہوئے پہلی دفعہ اسے لگا تھا کہ وہ خوب صورت لگ رہی ہے۔ واقعی، سچی محبت کے حسین رنگوں نے اس کے چہرے پر ایک عجیب سا حسن پیدا کر دیا تھا۔ وہ یونہی مسکرا دی اور باہر جانے کے لیے مڑی۔

وہ لابی میں ہی ریسپشن ڈیسک پر کہنی ٹکائے کھڑا تھا۔ سمل کو آتا دیکھ کر وہ ایک دم ہی سیدھا ہو گیا۔ اس کو دیکھ کر سمل کو اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔ وہ اس شخص کی محبت تھی جس پر دنیا رشک کرتی تھی۔

"سمل!" وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"بیٹھو گے یا باہر چلنا ہے؟"

"نہیں نہیں، میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔ "دراصل میرا ایک بہت اہم ڈیلیگیشن نیواڈا Nevada جا رہا ہے۔ مجھے ان کو سی آف کرنے جانا ہے۔ میں بس تمہیں ہیلو کرنے آیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا تم ایک دفعہ پھر میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔"

سمل گنگ سی اسے دیکھنے لگی۔ اس کو اس سے اس رویے کی ہرگز توقع نہ تھی۔

"آئی ایم سوری!" وہ دھیرے سے بولا۔ "دیکھو، ناراض مت ہونا۔ مجھے تمہاری فیلنگز کا اندازہ تھا اور مجھے خود بھی برا فیل ہو رہا ہے مگر ورک از ورک۔ تم تو خود بزنس وومن ہو، جانتی ہو۔"

"اٹس آل رائٹ خرم!" وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔

"او کے بائے۔" اتنا کہہ کر وہ مڑا۔ اس کی چوڑی پشت اس کی جانب تھی۔ وہ واقعی مردانہ وجاہت کا شکار تھا۔

یک دم اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور واپس آ گیا۔

"تم فارغ ہو؟"

"میں؟ ہاں کیوں؟" وہ حیران سی پوچھنے لگی۔

"ایسا ہے سمل! کہ مجھے یہاں سے ایئرپورٹ جانے تک قریباً" آدھا گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا۔ کیوں نہ تم بھی میرے ساتھ چلو؟"

"ٹھیک ہے۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ وہ اب خرم کی کسی بات سے انکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکل آئے۔

شوفر سیمو ئیل نے فوراً" آگے بڑھ کر ریڈ رولز رائس کا پچھلا دروازہ سمل کے لیے کھول دیا جبکہ خرم دوسری طرف سے آ کر سمل کے ساتھ بیٹھ گیا۔

جیسے ہی گاڑی چلی، اس نے اپنے بریف کیس میں سے اپنا لیپ ٹاپ نکالا اور اسے آن کر کے کچھ کام کرنے لگا۔ سمل نے بددل سی ہو کر اپنی نگاہیں کھڑکی سے باہر دوڑتے درختوں پر ٹکا دیں۔

ایک گارڈ کے ہمراہ وہ لوگ "ممنوعہ" علاقے میں پہنچے۔ سمل کو اپنے سامنے ایک خوب صورت "چیلنجر" دکھائی دے رہا تھا۔

"یہی ہے وہ جہاز جس میں تمہارے ڈیلیگیشن نے جانا ہے؟" وہ اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہاں، معلوم نہیں وہ لوگ کب تک پہنچیں گے۔" خرم نے گھڑی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"پہنچ جائیں گے۔ ڈونٹ وری۔" وہ دھیرے سے بولی۔

خرم نے اس کی طرف دیکھا۔ "تم کھڑے کھڑے تھک جاؤ گی۔ ایسا کرتے ہیں کہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"کدھر؟ ایئرپورٹ لاؤنج میں؟"

"لاؤنج میں؟" اس نے کچھ دیر سوچا۔ "نہیں پھر دوبارہ یہاں آنے کے لیے آئی۔ڈی چیک کرانی پڑے گی۔ چھوڑو ایسا کرتے ہیں پلین میں بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں۔"

وہ دونوں سیڑھیوں کے ذریعے اس لگژریس جہاز کے اندرونی حصے میں پہنچ گئے۔ کاک پٹ میں سے ایک ہوسٹس نکلی اور ان کو دیکھ کر بے ساختہ "گڈ ایوننگ" بولی جواب میں خرم اور سمل نے "گڈ ایوننگ" کہا اور آرام سے سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں فلائٹ اٹینڈنٹ نے آ کر کیبن کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کر دیا۔

"اور کتنی دیر لگے گی خرم؟" وہ جیسے تھک کر بولی۔

"کم آن سوئٹ ہارٹ! تھوڑی دیر اور! پھر ہم ایک اچھے سے امریکن ریسٹورنٹ میں جا کر کھانا کھائیں گے۔" وہ جیسے اسے بہلا رہا تھا۔

جب وہ اندر داخل ہوئے تھے تو جہاز کا انجن آن تھا مگر ایک دم ہی اس وقت Jets کی آواز تیز ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاز رن وے پر ٹیکسی کرنے لگا۔

"خرم!" وہ ایک دم چیخی تھی۔ "جہاز، جہاز چل رہا ہے۔"

"سمل! ڈونٹ بی سلی!" وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ "جہاز کیسے چل سکتا ہے؟"

"خرم! دیکھو!" اس نے زرد پڑتے چہرے کے ساتھ کھڑکی کے باہر اشارہ کیا "وی آر موونگ۔"

"کیا؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"جاؤ، جا کر پائلٹ سے کہو کہ وہ جہاز روکے۔" وہ بے حد گھبرا گئی تھی۔

"سمل! میں اس سے نہیں کہہ سکتا۔ وہ اب اسٹارٹ کر چکا ہے۔"

"خرم! پلیز اس سے کہو، دیکھو جہاز اب فلائی کر رہا ہے۔"

"تو کرنے دو نا۔" وہ آرام سے سیٹ کی پشت پر سر ٹکاتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟" اس نے گردن موڑ کر اپنے بہت قریب بیٹھے خرم کو دیکھا۔ "تم جا کر پائلٹ سے...." وہ ایک دم رک گئی۔

"خرم! یہ جہاز کس کا ہے؟"

"تین سال پہلے میں نے خریدا تھا۔" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں اور یہ کیا ڈرامہ ہے؟" وہ چیخ کر بولی۔

"ابھی تو میں نے بتایا تھا۔ تھوڑا سا انتظار اور کرو پھر ہم ایک اچھے سے امریکن ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ آف کورس ہم نیویارک جا رہے ہیں۔"

"ہم، ہم کیسے جا سکتے ہیں؟ میں نے تو کپڑے بھی نہیں

www.Paksociety.com

خائے نہ ہی....."

"امریکہ میں بونیکس نہیں ہوتے کیا؟" وہ معصومیت سے بولا۔

"اوہ خرم! میں تمہیں قتل کردوں گی۔" اس نے سچ مچ ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن دبوچ لی۔ وہ برا برہنسے جا رہا تھا۔ کسی لمحے ہوسٹس وہاں آئی تھی۔ گھبراہٹ میں پہلے ایک لمحے کو تو سمل خرم کی گردن سے اپنے ہاتھ ہٹانا ہی بھول گئی۔ پھر جلدی سے اس نے اپنے ہاتھ پیچھے کیے۔

"نیور مائنڈ۔" وہ شوخی سے بولا "میری فیانسی بہت رومانٹک ہو رہی ہے۔" اس کی بات پر ایک طرف تو سمل اسے غصے اور خفت سے دیکھنے لگی جبکہ دوسری طرف ہوسٹس معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔

"اینی تھنگ یونیڈ سر؟"

"نو تھینکس!" خرم شرارت سے بولا۔ "بس ہم دونوں لوبرڈز کو کچھ لمحے اکیلے گزارنے کو مل جائیں تو....." اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"وہ سر ہلاتے ہوئے چلی گئی تو وہ اس پر پل پڑی۔

"میں کب سے تمہاری فیانسی بن گئی؟" وہ نروٹھے لہجے میں بولی۔

"جب سے تمہارے ڈیڈ نے میرا رشتہ قبول کیا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"واٹ؟" وہ حیران سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے والد سے میری فون پر بات ہوئی تھی۔ انہی سے پوچھ کر تو تمہیں ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔"

"جہانگیر انکل نہیں بولا جاتا تم سے؟"

"اوکے میم! تو آپ نے مجھے ان کا داماد مان ہی لیا۔" وہ فرضی کالر جھاڑتے ہوئے بولا۔

"ہونے والا۔" سمل نے فوراً" ٹکڑا لگایا۔

"واٹ ایور!" اس نے ہنستے ہوئے شانے اچکائے۔

"کیا پوچھا تھا تم نے ڈیڈ سے؟" وہ تفصیلات جاننے کے لیے بے تاب تھی۔

"یہی کہ اگر میں آپ کی بیٹی کو اغوا کر کے لے جاؤں تو آپ میرے خلاف پرچا تو نہیں کٹوائیں گے؟"

"انہوں نے کیا کہا؟"

"انہوں نے کہا اگر میں پرچا کٹواؤں گا تو تم اپنے ارادے سے باز آجاؤ گے؟"

میں نے کہا "ہرگز نہیں..... یہ تو ممکن ہی نہیں۔"

"تم نے یہ کہہ دیا؟ اتنے بدتمیز ہو تم؟" سمل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"جسٹ کڈنگ! انہوں نے فوراً" اجازت دے دی تھی۔" وہ مسکرایا۔

"ویسے ان کو یہ سب معلوم کیسے ہوا؟" وہ پوچھنے لگی۔

"آؤٹ لائیرز میں نے بتا دیں' باقی عماد کی ڈیوٹی لگا آیا ہوں۔"

"ویسے خرم!" کسی اچانک خیال کے تحت وہ بولی۔ "یہ مجھے اغوا کرنے کا آئیڈیا کس کا تھا؟"

"میرے باس کا۔"

"عماد کا؟" سمل نے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگائی۔

خرم نے سر ہلا دیا۔

"ویسے یہ تم دونوں میں سے باس کون ہے؟ ان فیکٹ عماد تمہیں باس کہتا ہے۔"

"جو ہم میں سے زیادہ ایڈیٹ ہے وہ باس ہے۔" وہ مزے سے بولا۔

"اسی لیے وہ تمہیں باس کہتا ہے۔"

"ویسے ہیں تو ہم دونوں ہی ایڈیٹ! میں اور تم! دونوں ہی پاگل ہیں نا؟"

"ہاں۔" وہ دھیرے سے ہنسی "کسی شاعر نے بھی غالباً ہمارے لیے ہی کہا تھا۔"

ہم دونوں مستانوں میں ایک خواہش ملتی جلتی ہے
اس کو شہزادی' مجھ کو شہزادے اچھے لگتے ہیں!

"صحیح کہا!" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"ہم نیویارک کیوں جا رہے ہیں؟" کچھ دیر بعد وہ پوچھنے لگی۔

"ہم نیویارک کے آس پاس ہی کہیں جا رہے ہیں۔"

"مگر کہاں؟"

"ڈارک ہاربر۔"

"ڈارک ہاربر؟ مگر کیوں؟"

"تمہیں یاد ہے سمل! تم نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ تمہارا ایک خواب ہے۔ کسی آئی لینڈ (جزیرہ) پر ایک گھر بنانے کا! میں نے تمہارے لیے ڈارک ہاربر میں ایک ولا لیا ہے۔ میں صرف تمہیں وہ دکھانا چاہتا ہوں۔ میں اللہ کے فضل سے اس قابل ہو ہی گیا ہوں کہ تمہیں تمہارے خواب کی تعبیر دے سکوں۔"

"خرم میں....." اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا

کہے۔

"نو مینشن!" وہ فوراً" بولا۔

نیویارک ایئرپورٹ پر وہ زیادہ دیر نہیں رکے۔ ایک خوب صورت Cessna طیارہ وہاں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دونوں اسی Cessna کے ذریعے Maine پہنچے۔

ساحل سمندر پر واقع تین منزلہ خوب صورت ولا دیکھ کر وہ جیسے مبہوت ہو گئی تھی۔ ولا کی چھت آف وائیٹ shingles سے ڈھکی ہوئی تھی جبکہ اطراف میں ایک خوب صورت باغیچہ سا بنا تھا جس میں ہر رنگ کے جنگلی گلاب' سوسن اور دیگر پھولوں کی بہتات تھی۔ گھر کے باہر سے اسے بارہ کھڑکیاں دکھائی دے رہی تھیں جن کے شٹر Rust کلر کے تھے۔ لان کے بیچ میں کریم کلر کی لان چیئرز رکھی تھیں جبکہ برآمدے میں دروازوں کے اطراف میں سفید بینچ پڑے تھے۔ ہر بینچ کے ساتھ سفید اور گلابی رنگ کے geranium کے پھولوں کا گملا رکھا تھا۔ سمل نے کئی خوب صورت ولا دیکھے تھے مگر اتنا حسین اور دلکش ولا اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

گھر کا اندرونی حصہ اور بھی سحر انگیز تھا۔ وسیع و عریض لونگ روم کی سمندر کی جانب گلاس وال تھی جس سے جھاگ اڑاتی لہریں سامنے نظر آ رہی تھیں۔ لونگ روم سے ہوتے ہوئے وہ ایک قدرے چھوٹے سٹنگ روم میں آ گئے جس کا آتشدان خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ کچن میں آئی جو بالکل امریکن طرز کا بنا ہوا تھا۔ سمل کو پائن کی بنی ہوئی ورک ٹیبل بہت پسند آئی۔ کچن کے ساتھ ہی ایک کھلی سی پینٹری اور لانڈری روم تھا۔ پہلی منزل پر نوکروں کے لیے چھ بیڈ رومز تھے (جیسا کہ ہر بیچ ہاؤس میں ہوتا ہے) جبکہ دوسری اور تیسری منزل پر ماسٹر بیڈ رومز اور گیسٹ رومز تھے۔

"میں نے تمہارے لیے ایک چھوٹی سی لائبریری بھی بنوائی ہے۔" خرم نے بتایا تو وہ پرتشکر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

اس چھوٹی سی لائبریری جس میں شاہ بلوط کی عمدہ لکڑی کا کام ہوا تھا' کا سائز جہانگیر پیلس میں موجود سمل کی لائبریری سے تین گنا زیادہ تھا۔

لائبریری سے نکل کر وہ دونوں ہال میں چلے آئے۔ اور اس وقت اس کے سامنے دیواروں پر نہایت سلیقے سے Van Rysselberghe سے لے کر De Smet تک کئی Belgian پینٹرز کی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ سمل نے مڑ کر حیرانی سے خرم کو دیکھا۔ ایک دفعہ اس نے خرم کو بتایا تھا کہ اسے بیلجین آرٹ اور Cubist آرٹ سے بہت لگاؤ ہے۔ اسے حیرت تھی کہ خرم کو ابھی تک یاد تھا۔

راہداری میں لگی پینٹنگز دیکھ کر وہ مزید حیران ہوئی تھی۔ کیوبسٹ آرٹ! اس کا بہت زیادہ فیورٹ دیواروں پر Braques 'Legers اور پکاسو کی آرٹ کولیکشن دیکھ کر سمل کو لگا وہ اپنے خواب کی دنیا میں آ گئی تھی۔ وہاں وہ سب تھا جو اسے پسند تھا۔

"آؤ میں تمہیں Yacht دکھاتا ہوں۔"

وہ اسے لے کر باہر آ گیا۔ رات ابھی تک گہری تھی۔ اسی لیے سمل کو وہ خوب صورت Yacht دیکھنے میں دقت ہو رہی تھی۔

"کتنا سائز ہے اس کا؟"

"ایک سو پچاس فٹ! اس میں چار GM ڈیزل ہیں' دو اسپیڈ بوٹس ہیں' ایک درجن لوگوں پر مشتمل عملہ' اس کے علاوہ ایک فریش واٹر سوئمنگ پول ہے۔ بس۔"

"بس!" سمل نے دہرایا تو وہ ہنس پڑا۔

"اٹس آل فار یو سمل!"

"تھینک یو!" وہ دھیرے سے بولی۔

کبھی یہی خواب تھا اس کا اور اس وقت وہ سوچ رہی تھی کہ اس کو اب خرم کی محبت چاہیے تھی۔

خرم کے ہاتھ میں ہاتھ دیے سمل نے اپنے اوپر ستاروں سے جگمگاتے سیاہ آسمان کی جانب دیکھا۔ کروڑوں برس پہلے چمکنے والے ان ستاروں پر نو سال' دو ماہ اور تین دن کی وہ داستان پہلے ہی لکھی جا چکی تھی۔